فہم کا وسیلہ

(2008 سے 2010 تک منعقد کیے گئے قومی مباحثوں پر محیط)

विद्यया ऽमृतमश्नुते

एन सी ई आर टी
NCERT

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

Prelims.indd 1 20-Jun-24 10:51:54 AM

32084 – समझ का माध्यम
राष्ट्रीय परिसंवाद 2008–2010 पर आधारित

ISBN 978-93-5007-126-7

प्रथम संस्करण
अक्तूबर 2010 कार्तिक 1932
पुनर्मुद्रण
अक्तूबर 2015 आश्विन 1937
जून 2021 ज्येष्ठ 1943
PD 17.5T RSP

© राष्ट्रीय शैक्षिक अनुसंधान और प्रशिक्षण परिषद्, 2010

??.00

एन.सी.ई.आर.टी. वाटरमार्क 80 जी.एस.एम. पेपर पर मुद्रित।

प्रकाशन प्रभाग में सचिव, राष्ट्रीय शैक्षिक अनुसंधान और प्रशिक्षण परिषद्, श्री अरविंद मार्ग, नयी दिल्ली 110016 द्वारा प्रकाशित तथा.......................... .... द्वारा मुद्रित।

सर्वाधिकार सुरक्षित
- प्रकाशक की पूर्व अनुमति के बिना इस प्रकाशन के किसी भाग को छापना तथा इलैक्ट्रॉनिकी, मशीनी, फोटोप्रतिलिपि, रिकॉर्डिंग अथवा किसी अन्य विधि से पुन: प्रयोग पद्धति द्वारा उसका संग्रहण अथवा प्रसारण वर्जित है।
- इस कताब का बिक्री इस शर्त के साथ की गई है कि प्रकाशक की पूर्व अनुमति के बिना यह पुस्तक अपने मूल आवरण अथवा जिल्द के अलावा किसी अन्य प्रकार से व्यापार द्वारा उधारी पर, पुनर्विक्रय या किराए पर न दी जाएगी, न बेची जाएगी।
- इस प्रकाशन का सही मूल्य इस पृष्ठ पर मुद्रित है। रबड़ की मुहर अथवा चिपकाई गई पर्ची (सृटिकर) याकिसी अन्य विधि द्वारा अंकित कोई भी संशोधित मूल्य गलत है तथा मान्य नहीं होगा।

एन.सी.ई.आर.टी. के प्रकाशन प्रभाग के कार्यालय

एन.सी.ई.आर.टी. कैंपस
श्री अरविंद मार्ग
नयी दिल्ली 110 016 फोन : 011-26562708

108, 100 फीट रोड
हेली एक्सटेंशन, होस्डेकेरे
बनाशंकरी III स्टेज
बेंगलुरु 560 085 फोन : 080-26725740

नवजीवन ट्रस्ट भवन
डाकघर नवजीवन
अहमदाबाद 380 014 फोन : 079-27541446

सी.डब्ल्यू.सी. कैंपस
निकट: धनकल बस स्टॉप पनिहटी
कोलकाता 700 114 फोन : 033-25530454

सी.डब्ल्यू.सी. कॉम्प्लैक्स
मालीगांव
गुवाहाटी 781021 फोन : 0361-2674869

प्रकाशन सहयोग

अध्यक्ष, प्रकाशन प्रभाग	:	अनूप कुमार राजपूत
मुख्य संपादक	:	श्वेता उप्पल
मुख्य उत्पादन अधिकारी	:	अरुण चितकारा
मुख्य व्यापार प्रबंधक	:	विपिन दिवान
संपादक	:	नरेश यादव
उत्पादन सहायक	:	सुनील वुफमार

ترمیم شدہ ایڈیشن

پیش لفظ

بچوں کی ابتدائی تعلیم بنیادی کے طور پر زبان کی تعلیم ہے۔ یہی سبب ہے کہ قومی تعلیمی پالیسی 0202 میں ایک مرتبہ پھر مادری زبان میں تعلیم کی پرزور سفارش کی گئی ہے۔ تمام تعلیمی دستاویزات میں بھی مادری زبان کے ذریعے تعلیم دینے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ ہندوستان ایک کثیر لسانی ملک ہے اور ہندوستانی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانا وقت کی ضرورت ہے تاکہ تمام بچوں کی تعلیم کو آسانی کے ساتھ اور بلا تعطل رفتار سے آگے بڑھایا جاسکے۔ مادری زبان میں تعلیم تمام مضامین کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ گریڈ 5 تک تعلیم صرف مادری زبان میں ہونی چاہیے۔ اسے گریڈ 8 اور اس سے آگے بھی جاری رکھنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ کثیر لسانیت کو فروغ دینے کے لیے مادری زبان میں سائنس اور دیگر مضامین میں بہترین مطالعاتی مواد دستیاب کرانا چاہیے۔ اس سے بچوں کی زبان اور اسکولی زبان کے درمیان خلیج کم ہوگی اور زبانوں کے درمیان ایک مضبوط پُل بنے گا۔ اس کی بنیاد مادری زبان ہوگی۔

'سمجھ کا مادھیم' نامی کتاب اصل میں ہندی میں 2008-2010 کے درمیان ملک گیر مباحثوں کی بنیاد پر تیار کی گئی تھی۔ اب قومی تعلیمی پالیسی 2020 کی سفارشات کو شامل کرتے ہوئے، فی الحال ضروری ہے کہ یہ کتابچہ پورے ملک کے تعلیمی اداروں تک ان کی اپنی زبان میں دستیاب ہو، اس لیے بنیادی طور پر ہندی میں تیار اس کتابچہ کو انگریزی سمیت 23 زبانوں میں ترجمہ کے ذریعہ سبھی تک پہونچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس اہم اسکیم میں معاون ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز کا کردار اہم ہے جس کے لیے ہم ڈپارٹمنٹ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتابچہ بچوں کی تعلیم پر کام کرنے والے مختلف ریاستوں کے منصوبہ سازوں کے لیے ایک بنیادی کتاب کے طور پر مددگار ثابت ہوگا۔

دنیش پرساد سکلانی

ڈائریکٹر

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

نئی دہلی

مارچ 2024

پہلا ایڈیشن

پیش لفظ

بچوں کی زندگی اور ان کی تعلیم میں زبان کا کردار نوآبادیاتی معاشرے میں متعدد قسم کی کج رویوں سے گھرا رہا ہے۔ ان کج رویوں پر غور کرنے کی کوششیں بھی اکثر و بیشتر معاشرے کی ترجیحات اور سیاسی تنازعوں سے گھر جاتی ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ تعلیم سے متعلق زبان کی پالیسی کافی لمبے عرصے سے بحث اور تحقیق دونوں کے دائروں سے باہر رہی ہے۔ اس صورت حال کو تبدیل کرنے کے مقصد سے قومی کونسل نے 'فہم کا وسیلہ' عنوان سے مباحثوں کی سیریز کا انعقاد کیا تھا۔ اودے پور، پٹنہ، وارانسی اور دہلی میں منعقد کیے گیے ان مباحثوں کا نقطۂ نظر اسکول کے روزانہ کے معمول میں بچوں کے زبان سے متعلق تجربات کے تجزیے پر محیط تھا۔ کوشش تھی کہ زبان کے استعمال میں تعلیمی پالیسی کی ایک عرصے سے بے حس پڑی بحثیں از سر نو شروع ہوں۔

یہ کتاب اس کوشش کو آگے بڑھانے کے ارادے سے شائع کی جا رہی ہے۔ کتاب کا مواد چاروں مباحثوں میں اٹھائے گئے سوالوں اور ان کے جوابات تلاش کرنے کے لیے دلائل کی مدد سے یکجا کیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعے بچوں کی تعلیم سے سروکار رکھنے والے شہری جن میں اساتذہ، ان کے تربیت کار، افسران، عوامی رہنما، سماجی تنظیموں کے کارکنان اور والدین شامل ہیں، تدریس کو زبان کے سوال پر غور کرنے اور مکالمہ قائم کرنے کے لیے پُر تجسس محسوس کریں گے۔ ایسا مکالمہ آج کی تاریخی ضرورت ہے۔ حقِ تعلیم کے قانون نے بچے کی مادری زبان کی اہمیت کو دوبارہ قائم کرنے کی تازہ کوششیں کی ہیں۔ یہ اقدام تعلیم کو نوآبادیاتی تاریخ کی وراثت سے پیدا نفسیاتی اور سماجی جکڑن کو دور کرنے کی طاقت ہے۔ ظاہر ہے، کسی بھی قانون میں پنہاں قوت کو ظاہر ہونے میں سماجی اور مقامی تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔ انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں کا فروغ عصری حقیقت نہیں ہے بلکہ ایک پیچیدہ ثقافتی ڈھانچہ بھی ہے۔ ایسے مکالموں کو احساس کے دائرے میں لا کر ہی کسی تبدیلی کی امید کی جاسکتی ہے۔

قومی درسیات کے خاکے-2005 میں تبدیلی کی سمت اور فطرت کو لے کر معقول اشارے دیے گئے تھے۔ ان اشاروں کی تفصیلی وضاحت ہندوستانی زبانوں اور انگریزی کی تعلیم سے متعلق قومی فوکس گروپ کی رپورٹوں میں کی گئی ہے۔ یہ دونوں دستاویز کلاس روم میں تدریس کے ذریعۂ تعلیم کو بچے کی فہم کی فطری نشوونما کے نفسی و لسانی پس منظر کا اظہار ہے۔

اس پس منظر کا ایک اہم پہلو ہندوستان کا کثیر لسانی ماحول ہے۔ ہمارے بچے پیدائش سے ہی کثیر لسانی ماحول میں زندگی گذارتے ہیں اور اس ماحول میں موجودہ عصری ارتقا کو اپنی فطری ذہانت کی نشوونما کی ترتیب میں قبول کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تعلیمی نظام میں زبان کی تدریس اور ذریعۂ تعلیم کی زبان کے سوال کو لے کر موجود تعصّب کو اس وسیع پس منظر میں رکھیں اور سمجھیں۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب زبان سے متعلق پالیسیوں اور پروگراموں کو از سر نو جانچنے کے لیے ایک کلیدی پرچے کا کردار ادا کرے گی۔ کونسل کی جانب سے ان تمام ترکارکنوں کا میں ممنون ہوں جنھوں نے 'فہم کا وسیلہ' پر منعقد مباحثوں کی سیریز میں شرکت کی۔ مباحثوں میں کی گئی گفتگو کو مرتب کر کے بڑی محنت کے ساتھ انھیں اس کتاب کی شکل دینے کے لیے میں ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز کی ڈاکٹر سندھیا سنگھ اور ڈاکٹر کیرتی کپور کا مشکور ہوں۔ میں ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز کے ہیڈ پروفیسر رام جنم شرما کا ممنون ہوں جنھوں نے اس سیریز کے پروگراموں کا انعقاد کرایا۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی نشر و اشاعت سے ریاستی سطح کے ادارے زبان سے متعلق سوالوں پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ترغیب حاصل کریں گے۔

کرشن کمار

ڈائریکٹر

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

نئی دہلی

4 مارچ 2010

دیباچہ

زبان ہماری زندگی اور ثقافت میں غیر معمولی مقام رکھتی ہے اور زبان ہی ثقافت کی تشکیل کرتی ہے۔ یہ ہماری شناخت اور ہمارا وقار بھی ہے۔ مادری زبان میں تدریس بچوں کے سماجی اور وقوفی نشو ونما کو مضبوط بناتا ہے۔

'سمجھ کا مادھیم' نامی کتاب اصل میں ہندی میں 2008 اور 2010 کے درمیان ملک گیر مباحثوں کی بنیاد پر تیار کی گئی تھی۔ اب قومی تعلیمی پالیسی 2020 کی سفارشات کو شامل کرتے ہوئے، فی الحال ضروری ہے کہ یہ کتابچہ پورے ملک کے تعلیمی اداروں تک ان کی اپنی زبان میں دستیاب ہو، اس لیے بنیادی طور پر ہندی میں تیار اس کتابچہ کو انگریزی سمیت 23 زبانوں میں ترجمہ کے ذریعہ سبھی تک پہونچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ کتاب اس کوشش کو آگے بڑھانے کے ارادے سے شائع کی جارہی ہے۔ کتاب کا مواد چاروں مباحثوں میں اٹھائے گئے سوالوں اور ان کے جوابات تلاش کرنے کے لیے دلائل کی مدد سے یکجا کیا گیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب زبان سے متعلق پالیسیوں اور پروگراموں کو از سر نو جانچنے کے لیے ایک کلیدی پرچے کا کردار ادا کرے گی۔ کونسل کی جانب سے ان تمام ترکارکنوں کی میں ممنون ہوں جنھوں نے 'فہم کا وسیلہ' پر منعقد مباحثوں کی سیریز میں شرکت کی۔ ہم اس اہم منصوبے کے روح رواں اس وقت کے ڈائریکٹر پروفیسر کرشن کمار کے خاص طور پر شکر گذار ہیں جن کی رہنمائی میں اس پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی نشرو اشاعت سے ریاستی سطح کے ادارے زبان سے متعلق سوالوں پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ترغیب حاصل کریں گے۔

سندھیا سنگھ

پروفیسر

ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشنل ان لینگویجز

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

کمیٹی برائے کتاب

تحریر اور کوارڈینیشن

سندھیا سنگھ، پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز، این سی ای آر ٹی

معاونت

کیرتی کپور، پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز، این سی ای آر ٹی

اردو ترجمہ

محمد فاروق انصاری، پروفیسر اور ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز، این سی ای آر ٹی

- تعلیم کاذریعہ اگرمادری زبان ہے تو یہ لسانی اور ثقافتی دوریوں کو کم کرنے میں معاون ہوگی۔ بچّے کے گھر اور اسکول کی زبان کو جوڑنا اسکول کی پہلی ذمہ داری ہونی چاہیے۔
- ابتدائی تعلیم بنیادی طور پر زبان کی تعلیم ہے۔یہاں تک کہ ابتدائی ریاضی اور سماج وماحول سے متعلق ابتدائی واقفیت بھی بہترین طور پر مادری زبان میں ہی حاصل کی جائے۔
- مادری زبانوں/علاقاتی زبانوں کی تعلیم ہر سطح تک جاری رکھنی چاہیے کیوں کہ ان زبانوں میں اعلیٰ سطح کی کارکردگی کی بہتر و قوفی نشوونما کی ضمانت ہے جو زیادہ صحت مند بین شخصی ترسیلی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتی ہے اور واضح طور پر تصورات ونظریات قائم کرنے میں معاون ہوتی ہے۔
- شروعاتی تعلیم کاذریعہ بچّے کی مادری زبان میں ہو تو بچے کے سابقہ علم،اس کی لسانی صلاحیت اور ذہنی نشوونما کا مناسب استعمال ممکن ہو سکے گا۔
- ایک طرف گھر، ہم عمر گروہ اور محلے کی زبانوں اور دوسری جانب اسکول کی زبانوں میں فرق وتفاوت کو پُر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے۔یہاں تک کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم والے اسکولوں میں بھی مادری زبانوں کو فروغ دیا جائے تاکہ وہ ذریعۂ تعلیم کا کام کر سکیں اور طلبا کو اسکول تبدیل کیے بغیر ایک سے دوسرے ذریعۂ تعلیم پر جانے کا موقع مل سکے۔
- اسکول کی تعلیم کے پورے عرصے میں کثیر لسانی تعلیم کو فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے۔

—— ہندوستانی زبانوں کی تدریس، پوزیشن پیپر، این سی ای آر ٹی

پہلا ایڈیشن

اظہارِ تشکر

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی؛ یونیسیف، پٹنہ؛ آر۔آئی۔ای، بھنیشور؛ آر۔آئی۔ای، میسور؛ آر۔آئی۔ای، اجمیر؛ ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، پٹنہ؛ ودیا بھون سوسائٹی، اودے پور؛ کاشی ہندو یونیورسٹی، وارانسی کے ماہرین کی ممنون ہے۔

کونسل انیتا رام پال، پروفیسر، شعبۂ تعلیم (سی۔آئی۔ای)، دہلی یونیورسٹی، دہلی؛ ارون کمل، پروفیسر، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ؛ رماکانت اگنی ہوتری، پروفیسر، لینگویج سائنس ڈپارٹمنٹ، دہلی یونیورسٹی، دہلی؛ روہت دھنکر، ڈائریکٹر، دگنتر، جے پور؛ ایچ۔کے۔دیوان، پروگرام ڈائریکٹر، ودیا بھون سوسائٹی، راجستھان؛ راجیش سچدیوا، پروفیسر، سی۔آئی۔آئی۔ایل، میسور؛ حسن وارث، سابق ڈائریکٹر، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، پٹنہ؛ پریہ درشن، نیوز ایڈیٹر، این۔ڈی۔ٹی۔وی۔انڈیا، نئی دہلی؛ اودھیش پردھان، پروفیسر، ہندی ڈپارٹمنٹ، کاشی ہندو یونیورسٹی، وارانسی؛ احمد سجاد، ریٹائرڈ پروفیسر، رانچی یونیورسٹی، رانچی؛ شبھا راؤ، کوارڈینیٹر، وومن اسٹڈی اینڈ ڈیولپمنٹ سینٹر، کاشی ہندو یونیورسٹی، وارانسی؛ ریاض احمد، وائس چانسلر، ودیا بھون سوسائٹی، راجستھان؛ پریم پال شرما، جوائنٹ سکریٹری، ریل بھون، وزارت برائے ریلوے، نئی دہلی؛ سدانند شاہی، پروفیسر، ہندی و ڈپارٹمنٹ، کاشی ہندو یونیورسٹی، وارانسی؛ گیان دیو منی ترپاٹھی، پرنسپل، تپیندو انسٹی ٹیوٹ آف ہائر اسٹڈیز؛ ایس۔ رگھوناتھن، سابق ایجوکیشن سکریٹری، حکومت دہلی؛ اپوروانند، پروفیسر، ہندی ڈپارٹمنٹ، دہلی یونیورسٹی؛ راجیش بھوشن، سکریٹری، وزارت برائے انفارمیشن اینڈ ٹیکنالوجی، پٹنہ؛ شاردا کماری، سینئر لیکچرر، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، نئی دہلی؛ اوشا شرما، ریڈر، آر۔آئی۔ای، اجمیر؛ نوتن جھا، ٹیچر، میرا مبیکا اسکول، نئی دہلی؛ منیندر ناتھ ٹھاکر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، جے۔این۔یو؛ پروفیسر کرشن کمار، ڈائریکٹر، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی؛ رام جنم شرما، پروفیسر و ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی؛ اے۔کے۔ مشرا، پروفیسر، این۔ای۔آر۔آئی۔ای، شیلانگ؛ سندھیا سنگھ، ریڈر، ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی؛ کیرتی کپور، سینئر لیکچرر، ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی کی شکر گزار ہے۔

کونسل اتر پردیش، بہار، جھارکھنڈ، اتراکھنڈ، گجرات، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ، ہریانہ، مہاراشٹر، کرناٹک، راجستھان اور دہلی کے اساتذہ، ماہرین اور کتاب کی تیاری کے مختلف مراحل میں معاونت کرنے والے حضرات کی ممنون ہے۔

Prelims.indd 11 20-Jun-24 10:51:55 AM

ترمیم شدہ ایڈیشن

کونسل ترمیم شدہ ایڈیشن کے کوآرڈینیشن کے لیے سندھیا سنگھ، پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز، این سی ای آر ٹی اور اردو مسودے پر نظر ثانی کے لیے پروفیسر ابو بکر عباد، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی کی ممنون ہے۔ کتاب کی تیاری میں معاونت کے لیے کونسل محمد شارب ضیا، پروجیکٹ فیلو اور امجد حسین، گرافک ڈیزائنر کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

اردو ترجمے کے بارے میں

اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش پروفیسر محمد فاروق انصاری نے کی ہے۔

اردو مسودے کی ویٹنگ کے لیے منعقد کی گئی ورکشاپ میں جن حضرات نے شرکت کی ان میں زبیدہ حبیب، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی؛ قاسم خورشید، بہار ایس سی ای آر ٹی، پٹنہ؛ سلیم شہزاد، ریٹائرڈ ٹیچر، مالیگاؤں؛ ہلال احمد، جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی اور محمد فاروق انصاری، پروفیسر اور پروگرام کوآرڈی نیٹر (اردو ترجمہ)، ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی شامل ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں کاپی ایڈیٹر محمد یوسف اور ڈی ٹی پی آپریٹر محمد عارف رضا، عبدالرحیم غانم اور ضیاء الرحمن نے خدمات پیش کیں۔

فہرست

پیش لفظ (ترمیم شدہ ایڈیشن) iii

پہلا ایڈیشن v

دیباچہ vii

1. تعلیم سے متعلق دستاویزوں میں زبان 1-10
- تعلیمی کمیشن کی رپورٹ : اسکولی درسیات 66-1964
- قومی تعلیمی پالیسی-1968
- قومی تعلیمی پالیسی-1986
- پروگرام آف ایکشن-1992
- قومی درسیات کا خاکہ-1988،2000
- قومی درسیات کا خاکہ-2005
- قومی تعلیمی پالیسی-2020

2. زبان اور فہم 11-17
- بچے کی فہم اور زبان
- فہم کی بنیاد کے طور پر زبان
- زبان اور سماجی مساوات
- بچے کے تشخص کا سوال
- بامعنی تعلیم کی کوشش

3. کثیر لسانیت 18-27
- تعلیمی کمیشن کی کثیر لسانیت کا مقصد
- بچے میں زبان کی صلاحیت

- عمومی قواعد کا تصور
- کثیر لسانیت اور اقلیتی و قبائلی زبانیں
- کثیر لسانیت اور دکنی زبانیں
- کثیر لسانیت اور انگریزی کا کلاس روم
- کثیر لسانی کلاس روم
- کثیر لسانیت کے چیلنج

.4 مضامین کے مرکز میں زبان — 28-41

- تاریخ کے آئینے میں
- تمام مضامین کا استاد زبان کا استاد ہوتا ہے
- غور و فکر کی آزادی اور اساسیت کا سوال
- زبان اور دیگر مضامین
- تکنیکی اصطلاحات اور بچے کی فہم
- اعلیٰ تعلیم اور دیگر مضامین

.5 زبانوں کے درمیان مکالمہ — 42-47

(حوالہ: انگریزی اور ہندی)

- انگریزی اور ہندی کا رشتہ
- 1967 کے بعد
- 1987 کا دور
- تبدیلی کا نیا دور
- انگریزی کے ارتقا کی تاریخ
- نئے الفاظ تراشنے کی ضرورت

.6 مدّے اور چیلنج — 48-55

- استاد کی تیاری

- سماجی تیاری
- انتظامی تیاری

ضمیمہ-1	56-58
حوالہ جات	59-60

Prelims.indd 16 20-Jun-24 10:51:55 AM

1

تعلیم سے متعلق دستاویزوں میں زبان

- تعلیمی کمیشن کی رپورٹ:
- اسکولی درسیات-66-1964
- قومی تعلیمی پالیسی-1968
- قومی تعلیمی پالیسی-1986
- پروگرام آف ایکشن-1992
- قومی درسیات کا خاکہ-1988، 2000
- قومی درسیات کا خاکہ-2005
- قومی تعلیمی پالیسی-2020

ہمارے دو لب ہیں۔ دونوں آپس میں ملتے ہیں۔ زبان کے ساتھ مل کر ایک لَے میں حرکت کرتے ہیں تو زبان بنتی ہے۔ ایک حرکت کرے اور دوسرا ساکت رہے تو ترسیل ناممکن ہوگی (ایک شاعر کا زبان سے متعلق نظریہ)۔ 1971 کی مردم شماری کے مطابق ہمارے ملک میں تقریباً 1652 زبانیں موجود ہیں۔ ان میں محض 47 زبانیں ہیں جو اسکول میں بچوں کی تفہیم کا ذریعہ بن سکی ہیں (مآخذ: ہندوستانی زبانوں کی تدریس-2005)۔ باقی زبانیں اب بھی بغیر حرکت کیے خاموش ہیں۔ ممکن ہے آج ان میں سے بہت سی زبانوں کا وجود بھی نہ ہو۔ کیا یہ خاموشی محض چند زبانوں کے ذریعہ تعلیم نہ بن پانے کی خاموشی ہے؟ یا یہ خاموشی کئی ثقافتوں، کئی سماجوں، کئی زبانوں اور کروڑوں بچوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش ہونے کا اشارہ ہے۔ اس پر غور کرنا پڑے گا۔

ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ کوئی بھی زبان اپنی معاون زبانوں کے ساتھ ہی فروغ پاتی ہے۔ اگر صرف ہندی کی بات کریں تو ہمیں یہ بھی غور کرنا پڑے گا کہ ہندی کئی علاقائی زبانوں سے مل کر بنی ہے۔ بچّوں کو اپنی زبان، تمام ساتھی زبانوں کے رنگ میں رچی بسی چہچہاتی قدم بڑھاتی سننی پڑے گی۔ ہماری بہت ساری خاموش زبانیں ایک ایسی پہل کے انتظار میں ہیں جب دونوں لب ملیں (بچوں کی فہم اور زبان کا تال میل ہو) اور زبان کا جمہوری مقام قائم ہو۔

آزادی کے بعد کی تمام دستاویزات میں مادری زبان کو فہم کے وسیلے (خصوصی طور پر ابتدائی تعلیم)

کے طور پر رائج کیے جانے کی بات کہی گئی اور بچوں کی فہم میں معاون ان کی اپنی زبان کو ان کے آزادانہ اظہار میں اہمیت دی گئی ہے۔ ذیل میں مختلف دستاویزات میں زبان سے متعلق دیے گئے مشوروں کو پیش کیا جارہا ہے۔

تعلیمی کمیشن کی رپورٹ: اسکولی درسیات–1964-66

پرائمری تعلیم کے ضمن میں آج ہمیں جس بنیادی سوال کا حل تلاش کرنا ہے وہ ہے– مادری زبان میں اچھی طرح پڑھانا اور ناخواندگی دور کرنا۔ صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ممالک میں بھی پہلے پرائمری تعلیم کا پورا نصاب صرف ایک زبان کی تعلیم تک محدود تھا۔ تعلیم کی نشوونما اور معاشی حالت میں بہتری آنے کے بعد ہی انھوں نے پرائمری سطح پر دوسری زبان کی تعلیم شروع کی۔

ہمارا یقین ہے کہ انگریزی جیسی غیر ملکی زبان سیکھنے سے پہلے مادری زبان پر مناسب دسترس حاصل کر لینی چاہیے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ پرائمری درجات میں جہاں لاکھوں طالب علموں کا داخلہ ہوتا ہے، انگریزی کی مؤثر تدریس کے لیے بڑی تعداد میں تربیت یافتہ اساتذہ کی ضرورت ہے؛ لیکن وہ مہیا نہیں ہے۔ اگر مہیا ہو بھی جائے تو اس پروگرام سے تعلیم کے لیے مخصوص کی گئی رقم پر بہت بڑا بوجھ پڑے گا۔ ہماری رائے میں یہ بہت بڑا کام ہے اور غیر ضروری طریقے سے اس کے پیچھے پڑنے پر اسکولی سطح پر انگریزی کا معیار بہتر ہونے کے بجائے پست ہو جائے گا۔ اس لیے ہم سفارش کرتے ہیں کہ غیر ملکی زبان کے طور پر انگریزی کی تعلیم بعض اسکولوں میں تجرباتی بنیاد پر شروع کرنے کے علاوہ پانچویں جماعت سے پہلے شروع نہیں کی جانی چاہیے۔

— تعلیمی کمیشن کی رپورٹ، 1964-66، صفحہ 218-219

قومی تعلیمی پالیسی-1968

ہندوستانی زبانوں اور ادب کی مناسب ترویج و ترقی اور تعلیمی و تہذیبی نشوونما ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ اس کی عدم موجودگی میں لوگوں کی تخلیقی توانائی کی نشوونما ممکن نہیں ہے، تعلیمی سطح میں اضافہ نہیں ہوگا، لوگوں تک تعلیم کی پہنچ نہیں ہوگی اور تعلیم یافتہ اور عام لوگوں کے درمیان فاصلہ یوں ہی بنا رہے گا؛ بھلے ہی بڑھے نہیں لیکن کم نہیں ہوگا۔ کئی زبانوں کا ذریعہ تعلیم کے طور پر پرائمری اور ثانوی سطح پر پہلے سے

ہی تجربہ کیا جارہا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے اسے رائج کیے جانے کی ضرورت ہے۔
ہندی: ہندی کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے۔ آرٹیکل 351 کا خیال رکھتے ہوئے رابطے کی زبان کے طور پر اور ہندوستان کی متنوع ثقافت کے اظہار کے وسیلہ کے طور پر ہندی کو فروغ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ غیر ہندی صوبوں میں جہاں کہیں بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندی کو ذریعۂ تعلیم بنایا جارہا ہے اسے فروغ دیا جانا چاہیے (نوٹ: یہ بات تمام ہندوستانی زبانوں کے بارے میں ممکن ہوسکتی ہے)۔
عالمی زبانیں: انگریزی اور دیگر عالمی زبانوں کی تدریس پر خاص توجہ دینے کی ضرورت پڑے گی۔ خاص طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں دنیا کا علم مسلسل بڑھ رہا ہے۔ ہندوستان کو اس ترقی کے ساتھ ہی مل کر نہیں چلنا ہے بلکہ اس ترقی میں اہم کردار بھی ادا کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے انگریزی کے علم کو خاص طور پر مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔

– قومی تعلیمی پالیسی-1968، صفحہ 4-3

سہ لسانی فارمولے کی بات بھی 1968 کی پالیسی میں زور دے کر کہی گئی ہے جسے قومی درسیات کا خاکہ –2005 میں اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔

سہ لسانی فارمولہ

- پہلی زبان
  - اسکول میں پہلی زبان جو پڑھائی جائے وہ مادری زبان ہو یا علاقائی زبان۔
- ثانوی زبان
  - ہندی بولنے والی ریاستوں میں ثانوی زبان کوئی دیگر جدید ہندوستانی زبان ہو یا انگریزی اور غیر ہندی ریاستوں میں ثانوی زبان ہندی یا انگریزی ہوگی۔
- تیسری زبان
  - ہندی بولنے والی ریاستوں میں تیسری زبان انگریزی ہوگی یا کوئی جدید ہندوستانی زبان جو ثانوی زبان کے طور پر نہ پڑھی جارہی ہو۔
  - غیر ہندی داں ریاستوں میں تیسری زبان انگریزی ہوگی یا کوئی ایک جدید ہندوستانی زبان جو ثانوی زبان کی حیثیت سے نہ پڑھی جارہی ہو۔
  - ہندوستانی زبانوں کی تدریس- نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر، صفحہ 13

قومی تعلیمی پالیسی-1986

1986 کی تعلیمی پالیسی نے 1968 کی تعلیمی پالیسی کی بنیاد پر ہی زبان کی تعلیم سے متعلق نکات پر بحث کی ہے۔ یہ پالیسی اعلیٰ تعلیمی سطح پر بھی علاقائی زبان کو ہی ذریعۂ تعلیم کی شکل میں استعمال کرنے پر زور دیتی ہے؛ سہ لسانی فارمولے کو پر زور طریقے سے نافذ کیا جائے؛ تعلیم کی ہر سطح پر بچوں کی زبان سے متعلق نشو ونما پر دھیان دیا جائے۔ انگریزی اور دیگر غیر ملکی زبانوں کو پڑھانے کی سہولت مہیا کرائی جائے؛ رابطے کی زبان کے طور پر ہندی کو فروغ دیا جائے جیسا کہ آئین کے آرٹیکل 153 میں کہا گیا ہے...ایک زبان سے دوسری زبان میں کتابوں کے ترجموں اور ذولسانی اور کثیر لسانی لغات پر سنجیدگی سے کام کیے جانے کی ضرورت ہے۔

—پروگرام آف ایکشن-1992، صفحہ 94

1986 کی پالیسی کے نفاذ کے لیے پروگرام آف ایکشن کی بعض اہم تجاویز ہیں:

- جدید ہندوستانی زبانوں میں اضافی مواد/حوالہ جاتی کتابیں تیار کر کے انھیں شائع کیا جائے۔
- یونیورسٹی کے اساتذہ کا اورینٹیشن (Orientation) کیا جائے۔
- درسی کتب اور حوالہ جاتی کتب کے تراجم انگریزی سے ہندوستانی زبانوں میں کیے جائیں۔ ان کاموں کی مسلسل نگرانی ہو۔

فہم کے وسیلہ کی نظر سے بھی یہ تجاویز غور طلب ہیں:

پٹنائک-1986(اے)

- اسکولی تعلیم کی ثانوی یا اعلیٰ سطح پر رفتہ رفتہ علاقائی زبان یا صوبائی سطح کی زبان یا ہندی یا انگریزی کا استعمال ذریعۂ تعلیم کے طور پر کیا جاسکتا ہے۔
- ہمارے نزدیک پرائمری تعلیم خاص طور پر زبان کی تعلیم ہے، اس لیے مادری زبان یا علاقائی زبان کو بھی ضروری مضمون کی طرح ہی پڑھایا جانا چاہیے۔
- انسان زبانوں کو سیکھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہے خاص طور پر جب وہ کم عمر ہو۔ اگر مناسب سہولت مہیا ہو تو انگریزی بھی پرائمری سطح پر پڑھائی جاسکتی ہے۔ محض چند برسوں تک انگریزی کی تعلیم پر زور دے کر وہ نتائج حاصل نہیں ہوں گے جن کی توقع ہم کرتے ہیں۔ عام تصور کے برخلاف

زبانیں ایک دوسرے کے ساتھ ہی فروغ پاتی ہیں۔

- یہ ظاہر ہے کہ سہ لسانی فارمولے میں کم سے کم تین زبانیں ہوں گی لیکن زیادہ سے زیادہ زبانیں شامل کیے جانے پر سہ لسانی فارمولے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ سنسکرت کو جدید ہندوستانی زبان کے طور پر پڑھا جانا چاہیے جہاں اس کی نوعیت کلاسیکی سنسکرت سے بڑی حد تک مختلف ہونی چاہیے۔
- کلاسیکی اور غیر ملکی زبانوں کو الگ سے باضابطہ طور پر پڑھنے کی ضرورت ہے۔ وہ قواعد کی پیچیدگی کے لیے دریچے کھولتی ہیں۔ ان سے بصورت دیگر ناقابل رسائی لوگوں اور ان کی روایات اور تہذیبوں تک رسائی بھی ممکن ہوتی ہے۔

—ہندوستانی زبانوں کی تدریس۔ نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر، صفحہ 15

پروگرام آف ایکشن-1992
عملی سہ لسانی فارمولے کی بنیاد

عملی سہ لسانی فارمولے کی تشکیل میں درج ذیل رہنما اصولوں سے مدد مل سکتی ہے:

- انگریزی جب تک یونیورسٹی سطح پر تعلیم کا خاص ذریعہ اور مرکز اور متعدد ریاستوں میں انتظامیہ کی زبان بنی رہے گی تب تک اسے اعلیٰ مقام حاصل رہے گا۔ یونیورسٹیوں میں ریاستی زبانوں کے اعلیٰ سطح پر ذریعۂ تعلیم بن جانے کے بعد بھی تمام طالب علموں کے لیے انگریزی کی عملی معلومات بہت ہی سودمند ہوگی اور یونیورسٹی میں داخلہ لینے والوں کے لیے اس میں باصلاحیت ہونا لازمی ہوگا۔
- اسکول میں کسی زبان کی تعلیم میں کتنی مہارت حاصل کی جاسکتی ہے، یہ بات محض اس پر ہی منحصر نہیں ہے کہ کوئی زبان کتنے برسوں تک سیکھی جاتی ہے بلکہ اس پر بھی انحصار کرتی ہے کہ طلبا کے سامنے کیا مقصد ہے، زبان کس سطح پر سیکھی جارہی ہے اور اساتذہ موجودہ وسائل اور تعلیمی طریقہ کار کس نوعیت کے ہیں۔ مناسب سہولیات کی عدم موجودگی میں لمبے عرصے تک زبان پڑھانے سے بھی اچھے نتائج نہیں برآمد ہوتے جب کہ موافق حالات کے ہونے پر کم مدت میں بھی اچھے نتائج حاصل ہوسکتے ہیں۔ اگرچہ کم عمر میں ہی بچے کو دوسری زبان سکھانے کے حق میں دلیلیں دی جاسکتی ہیں لیکن ہمارے خیال میں پرائمری اسکولوں میں لاکھوں طالب علموں کو زبان کی تعلیم دینے کے لیے لائق اساتذہ کا انتظام کرنا بہت مشکل کام ہوگا۔

- ہندی یا انگریزی کو دوسری زبان کے طور پر لازماً کس سطح سے شروع کیا جائے اور وہ کتنی مدت تک سکھائی جائے، یہ مقامی رجحان اور ضرورت پر انحصار کرتا ہے اور اسے ہر ریاست کے اوپر چھوڑ دینا چاہیے۔
- کسی بھی سطح پر چار زبانوں کی تعلیم ضروری نہیں ہونا چاہیے لیکن اپنی مرضی سے چار یا زیادہ زبانوں میں تعلیم کی سہولت فراہم ہونا چاہیے۔

پروگرام آف ایکشن 1992

قومی درسیات کا خاکہ - 1998، 2000

1988 اور 2000 کے قومی درسیات کے خاکوں میں 'اسکولی تعلیم کی تمام سطحوں یا کم از کم ابتدائی مرحلے کے اختتام تک مادری زبان یا علاقائی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی سفارش کی گئی ہے' (این سی ایف ایس ای-2000)۔ تاہم اس میں مادری زبان اور علاقائی زبان کے درمیان فرق کے تئیں حساسیت کا اظہار نہیں کیا گیا ہے۔ اس خاکے میں تجویز کی گئی ہے کہ اگر علاقائی زبان طالب علم کی مادری زبان نہ ہو تو پہلے دو سال کی تعلیم مادری زبان کے ذریعہ دی جائے۔ تیسری جماعت اور اس کے بعد 'علاقائی زبان کو ذریعۂ تعلیم کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے' (این سی ایف ایس ای-2000)۔

— ہندوستانی زبانوں کی تدریس- نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر، صفحہ 14-

قومی درسیات کا خاکہ - 2005

آج ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ذولسانی یا کثیر لسانی ہونے میں فہم و ادراک کے فروغ کے لحاظ سے بڑے فائدے ہیں۔ سہ لسانی فارمولا ہندوستان کے لسانی چیلنج اور امکانات سے نمٹنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ ایک حکمت عملی ہے جس سے کئی زبانیں سیکھنے کی راہ ہموار کی جانی چاہیے۔ اسے نظری اور عملی دونوں سطحوں پر قبول کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں کثیر لسانیت اور قومی یک جہتی کو فروغ دیا جائے۔ درج ذیل رہنما اصول ان مقاصد کی حصولیابی میں معاون ہو سکتے ہیں—

- زبان کی تعلیم کثیر لسانی ہونی چاہیے۔ محض اس لحاظ سے ہی نہیں کہ بچوں کو کئی زبانیں سیکھنے کا موقع

دیا جائے بلکہ ایسے لائحہ عمل تیار کرنے کے لحاظ سے بھی جن کے تحت کثیر لسانی جماعت کو ایک وسیلے کے طور پر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

- بچوں کی گھر کی زبان (زبانیں) جیسا کہ 3.1 میں درج کیا گیا ہے، اسکولی تعلیم کا ذریعہ ہونا چاہیے۔
- اگر اسکول میں اعلیٰ سطحوں پر گھر کی زبان (زبانوں) کے ذریعہ تعلیم ممکن نہ ہو تو ابتدائی سطح کی تعلیم لازمی طور پر گھر کی زبان (زبانوں) کے ذریعہ ہی دی جانی چاہیے۔ یہ لازمی ہے کہ ہم بچے کی گھر کی زبان (زبانوں) کو اہمیت دیں۔ ہمارے آئین کے آرٹیکل دفعہ 350۔اے کے مطابق ہر ریاست اور ریاست کے مقامی حکام کی کوشش ہونی چاہیے کہ لسانی، اقلیتی فرقوں سے تعلق رکھنے والے بچوں کو ابتدائی سطح پر مادری زبان کے ذریعۂ تعلیم کی تمام ضروری سہولتیں مہیا کرائی جائیں۔

– قومی درسیات کا خاکہ-2005، صفحہ 42

اس لیے قومی درسیات کا خاکہ (2005) کے لیے تشکیل کردہ فوکس گروپ برائے ہندوستانی زبانوں کی تدریس میں یہ سفارش کی گئی ہے–اسکولی سطح پر خصوصاً پرائمری سطح پر تعلیم میں ہدایات کا ذریعہ مادری زبان ہی ہونا چاہیے۔ 1986 میں این سی ای آر ٹی کے تشکیل کردہ ورکنگ گروپ آن دی اسٹڈی آف لینگویجز نے اپنی رپورٹ میں سفارش کی تھی کہ ابتدائی سطح پر تعلیم کا ذریعہ طلبا کی مادری زبان کو ہی بنایا جانا چاہیے۔ ہندوستانی سیاق میں یہ بے حد ضروری ہے کیوں کہ :

- اس سے لوگوں کو قومی باز تعمیر میں مدد ملتی ہے۔
- اس سے علم کو محدود اشراف کے دباؤ سے نجات ملتی ہے۔
- اس سے بین تعاملی اور بین انحصاری معاشروں کی تعمیر ہوتی ہے۔
- اس سے زیادہ تعداد میں گروپوں کی رہنمائی اور آمادگی کا زیادہ موقع فراہم ہوتا ہے اور اس طرح یہ جمہوریت کا ایک بہتر دفاع ہے۔
- اس کے نتیجے میں معلومات کی مرکزیت ختم ہوتی ہے اور یہ پابند میڈیا کے بجائے آزاد میڈیا کی ضمانت دیتا ہے اور نسبتاً زیادہ تعداد میں لوگوں کو تعلیم اور ذاتی ترقی کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

— ہندوستانی زبانوں کی تدریس- نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر، صفحہ 14

قومی تعلیمی پالیسی 2020

- یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ چھوٹے بچے مشکل نظریات بھی اپنے گھر بولی جانے والی/مادری زبان میں آسانی سے سیکھ اور سمجھ لیتے ہیں۔ گھر میں بولی جانے والی زبان عمومی طور پر مادری زبان ہی ہوتی ہے یا وہ زبان ہوتی ہے جو علاقہ میں بولی جاتی ہے۔ البتہ کثیر لسانی خاندانوں میں اہل خانہ جو زبان بولتے ہیں وہ مادری زبان یا علاقائی زبان سے مختلف ہو سکتی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو ذریعۂ تعلیم کم از کم کلاس 5 تک اور ترجیحاً کلاس 8 یا اس کے بعد تک گھر میں بولی جانے والی زبان/مادری زبان/علاقائی زبان/خطے کی زبان رکھا جائے گا۔ اس کے بعد گھر میں بولی جانے والی/علاقائی زبان کی پڑھائی جہاں ممکن ہو گا جاری رکھی جائے گی۔ یہ طریقہ کار سرکاری اور نجی دونوں اسکولوں میں اپنایا جائے گا۔

—قومی تعلیمی پالیسی 2020، باب 4.11

- تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ 2 تا 8 برس کی عمر کے عرصے میں بچے زبان زیادہ تیزی سے سیکھتے ہیں اور یہ کہ زیادہ زبانوں کے استعمال سے چھوٹے بچوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر بچوں کو جلد ہی مختلف زبانوں سے روشناس کرایا جانا چاہیے (لیکن ترجیح مادری زبان کو دینی چاہیے) اس کی شروعات بنیادی مرحلہ سے کر دینی چاہیے۔ تمام زبانوں کو خوش نما ماحول میں دل فریب اور جاذب انداز میں پڑھایا جائے گا جس میں آپس کے ربط ضبط اور بات چیت پر زور دیا جائے گا۔ پہلے پڑھنا اور بعد میں لکھنا سکھایا جائے گا جو اولین برسوں میں مادری زبان میں ہو گا اور بعد میں کلاس 3 یا اس کے بعد دیگر زبانوں میں ہو گا۔

—قومی تعلیمی پالیسی 2020، باب 4.12

- اس سلسلے میں، سائنس اور ریاضی میں اعلیٰ معیار کی دو لسانی نصابی کتب اور تدریسی مواد تیار کرنے کی بھرپور کوششیں کی جائیں گی تاکہ طلبا دونوں مضامین کے بارے میں اپنے گھر بولی جانے والی/مادری زبان اور انگریزی دونوں میں سوچنے اور بولنے کے قابل ہو جائیں۔

—قومی تعلیمی پالیسی 2020، باب 4.14

- بھارتی زبانوں کے درس وتدریس کو ہر اسکول اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ہر سطح پر شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ زبانوں کو زندہ اور فعال رکھنے کے لیے ان زبانوں میں اعلیٰ معیاری درس وتدریس اور شائع شدہ مواد دستیاب ہونا چاہیے۔ ان میں نصابی کتابوں، مشقی کتابوں، ویڈیو،

ڈرامے، نظمیں، ناول، رسالے وغیرہ شامل ہیں۔ زبانوں میں سرکاری طور پر مسلسل تجدید کی ضرورت ہے تاکہ ان کے الفاظ کے ذخیرے اور ڈکشنریوں میں عصری مسائل اور نظریات راہ پاسکیں۔ زبانوں کو سیکھنے سکھانے کے لیے مواد، دنیا بھر کی زبانوں کے اہم موضوعات کا ترجمہ اور الفاظ کے ذخیرے کی مسلسل تجدید انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ہبرو، کوریائی اور جاپانی زبانوں کے لیے دنیا بھر میں کی جارہی ہے۔ البتہ بھارت اپنی زبانوں کو زندہ رکھنے میں مدد کے لیے سیکھنے کے مواد، پرنٹ مواد اور لغات تیار کرنے میں سست روی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

— قومی تعلیمی پالیسی 2020، باب 22.6

- بھارتی زبانوں کا فروغ اسی صورت میں ممکن ہے جب زیر استعمال ہوں یا درس وتدریس کے لیے استعمال کی جاتی ہوں۔ تمام بھارتی زبانوں میں ترغیبات کے تحت انعامات دیے جائیں گے ۔ یہ انعامات بہترین شاعری، ناول، نان فکشن کتب، نصابی کتابوں، صحافت اور دیگر کاموں کے لیے دیے جائیں گے۔ بھارتی زبانوں کی بہتر معلومات کو روزگار کے لیے اہلیت کے پیمانوں میں شمار کیا جائے گا۔

— قومی تعلیمی پالیسی 2020، باب 22.20، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل

دستاویزوں اور تحقیق کی ان تمام تجاویز کے باوجود آج تقریباً 75 برسوں کے بعد بھی یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ این سی ای آر ٹی کے ذریعے کی گئیں زبانوں سے متعلق دو تحقیقات (دیکھیے صفحہ 52-55) میں بھی ذریعۂ تعلیم کی زبان کا جو صوبہ جاتی خاکہ پیش کیا گیا ہے اس میں بیشتر ریاستوں میں بہت سی زبانیں ذریعۂ تعلیم کی زبان کے طور پر استعمال کی جارہی ہیں۔ کاغذ پر تو ذریعۂ تعلیم کی زبانوں کو لے کر یہ سفارشات اور خاکے حوصلہ کن ہوتے ہیں لیکن یہ گھر کی زبان اور اسکول کی زبان کے درمیان فرق کو اب بھی ختم نہیں کر سکے ہیں۔ روز بروز ایک جانب گھر کی زبان اور اسکول کی زبان کے درمیان فرق بڑھتا چلا گیا ہے تو دوسری جانب انگریزی سمیت ہندوستانی زبانوں کے درمیان رابطہ بھی ٹوٹ گیا ہے۔ ذہنی بوجھ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ بچوں کی اپنی فہم، اپنا اظہار کہیں دب کر رہ گیا ہے۔ اسی لیے قومی درسیات کے خاکے (2005) میں اس بات کو پُر زور طریقے سے دوبارہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ بچوں کی گھر کی زبان اسکول میں بھی ان کی فہم کا وسیلہ بنے تاکہ بچے رٹنے کے بجائے سمجھ کر پڑھنے کی سمت میں آگے بڑھیں۔ تعلیم اُن کے لیے بوجھ نہ بن کر ایک خوشگوار تجربہ بنے۔ ظاہر ہے اس کے پیچھے بعض غلط فہمیاں اور بہت ساری الجھنیں ہیں۔

انھیں باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے این سی ای آر ٹی کے ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز موجودہ ڈپارٹمنٹ

آف ایجوکیشن ان لینگویجز نے ایک پہل کی اور پورے ملک کے ماہرین تعلیم اور اساتذہ کے ساتھ مل کر ایک بحث شروع کی۔ یہ بحث پٹنہ، وارانسی، اودے پور اور دہلی میں مباحثے کے ایک سلسلے کے طور پر منعقد کی گئی جس میں سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ بچوں کی اپنی زبان ہی ان کی فہم کا وسیلہ بنے۔ لیکن سب سے بڑا مسئلہ اس پر عمل پیرا ہونے کا ہے۔ ان اجلاس میں اس امر کی وضاحت بھی کی گئی کہ اس سمت میں ایک منظم تیاری کی ضرورت پڑے گی۔ نہ صرف تعلیمی بلکہ سماجی اور انتظامی کردار کو لے کر ایک شعور پیدا کرنا پڑے گا اور فہم کے وسیلے سے متعلق سمجھ بنانے کے لیے ایک عملی کوشش کرنی پڑے گی۔

2

زبان اور فہم

- بچے کی فہم اور زبان
- فہم کی بنیاد کے طور پر زبان
- زبان اور سماجی مساوات
- بچے کے تشخص کا سوال
- بامعنی تعلیم کی کوشش

زبان اور فہم کا گہرا رشتہ ہے لیکن تعلیم میں فہم کی ضرورت کو تقریباً نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ گذشتہ برسوں میں تعلیم سے متعلق جو پالیسیاں وضع کی گئیں ان میں پہلی مرتبہ تعلیم میں فہم پر زور دینے کی بات کہی گئی ہے۔ اس سے پہلے تو اس کی بھی کوئی سمجھ نہیں بن پا رہی تھی کہ فہم کیا ہے؟ تعلیم دینے اور اسے حاصل کرنے کی روایت قائم تھی۔ بہت کچھ آج بھی قائم ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اس موضوع پر اپنی سمجھ کو پختہ کرنا ہوگا کہ بچوں کی زبان کیا ہے؟

بچے کی فہم اور زبان

- اسکول آنے سے پہلے بچے زبان کے ذریعہ ہی دنیا کو محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔
- بچے زبان سیکھتے نہیں بلکہ دماغ میں تشکیل کرتے ہیں۔
- بچے فہم قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور خود فہم کی تشکیل بھی کرتے ہیں۔
- ان کے ارد گرد کئی زبانوں کا موجود ہونا مسئلہ نہیں بلکہ وہ تو وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کئی زبانیں تعلیم میں مساوات کا کام انجام دے سکتی ہیں۔
- درسیات اور زبان جب ذاتی زندگی سے وابستہ ہوتی ہیں تو وہ مزید وسعت پاتی ہیں۔
- چھ برس کی بچی کی زبان بھی بڑی مشکل ہو سکتی ہے۔ اس کے پاس زبان کی ایسی قواعد ہوتی ہے جس میں وہ سب کچھ بیان کر سکتی ہے۔ اگر ذریعۂ تعلیم کی شکل میں اس کے اوپر دوسری زبان لادی جاتی ہے تو اس کی فہم ہر گز مضبوط نہیں ہوگی۔

برتاؤ پسند کی بنیادیں جس چیز پر ہیں وہ ہے ''اسکنرس کے لسانی رویے کا جائزہ'' کے عنوان سے چامسکی کا مضمون (1959)۔ چامسکی نے دعوا کیا کہ زبان کی فطری صلاحیت کا مفروضہ قائم کیے بغیر پیچیدہ لسانی نظاموں کی صلاحیت کے حصول کی وضاحت مشکل ہوگی۔ پیاجے (1962-1983 اور دیگر)، انہلڈر اور ویگوتسکی (1986,1978) جیسے ماہر نفسیات نے ان دونوں موقفوں کی حمایت میں دلائل پیش کیے جو ان دو انتہائی موقعوں کے درمیان پڑتے ہیں۔ جہاں برتاؤ پسندوں کی نظر میں دماغ سادہ ورق یا تختی تھا وہیں چامسکی جیسے و توفیت پسندوں کے لیے زبان کا وجود انسانی ذہن میں پہلے سے بعض آفاقی قواعد کی شکل میں مضبوطی سے مربوط تھا۔ پیاجے کے لیے کسی دیگر وقوفی نظام کی طرح زبان کی تشکیل ماحول سے تعامل کے ذریعہ ہوتی ہے۔

—ہندوستانی زبانوں کی تدریس۔ نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر، صفحہ 8

فہم کی بنیاد کے طور پر زبان

فہم اور زبان کا رشتہ کچھ اس طرح ہوتا ہے جیسے ہوا اور اس کی لہروں کا۔ ہماری فہم اپنی زبان میں ہی تشکیل پاتی ہے۔ زبان کے بغیر فہم کا تصور کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن اسکولوں میں زبان کو ایک وسیلہ (Tool) کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ ہمیں اس سمت میں ابھی کام کرنا ہوگا اور یہ یقین دلانا ہوگا کہ زبان انسانی فہم کی واحد اور لازمی بنیاد ہے۔ ہم موجودہ دور میں کیا کر رہے ہیں؟ اس کے بارے میں بھی ہمیں زبان ہی باخبر کرتی ہے۔ یہ موجودہ دور سے ماضی اور مستقبل میں آنے جانے کا واحد اور ضروری ذریعہ ہے۔ کل کیا تھا؟ اس کی بنیاد پر ہی یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ ہمیں اور کیا چاہیے؟ اپنے موضوع پر شعوری طور پر فیصلہ لینے کا کام زبان ہی کرتی ہے۔ انسان کی یہ تمام سطحیں اس کے اپنے ماحول میں ہی تشکیل پاتی ہیں اور ان کی تشکیل کا کام فہم کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ ان کی یہ فہم زبان سے ہی تشکیل پاتی ہے۔ زبان سے ہم بامعنی تصورات قائم کرتے ہیں، تعلقات کا تانا بانا بنتے ہیں، اپنے تجربات کو معنویت دیتے ہیں، اپنے ارادوں کو ظاہر کرپاتے ہیں اور دوسروں کے ارادوں کو سمجھ پاتے ہیں۔ اس لیے انسان کو بنانے کی لازمی شرط کی شکل میں زبان فہم کا وسیلہ بنتی ہے۔

بچوں کے دماغ میں ان کی اپنی زبان کی تشکیل پہلے سے ہی ہوتی ہے۔ تصورات کا ڈھانچہ اسی زبان سے بنتا ہے۔ جب بچہ کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو اس کا رشتہ وہ پچھلے تجربات سے جوڑتا ہے اور نئی خصوصیات

معلوم کرتا ہے، تب جا کر اس چیز کا تصور قائم کرتا ہے۔ جب بچہ کچھ اور بڑا ہوتا ہے تو جانی پہچانی چیزوں کو غیر مانوس چیزوں سے وابستہ کر سکتا ہے اور اس کے بارے میں بات کر سکتا ہے۔ یہ زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اس لیے بچے کے ذہن میں پہلے سے موجود اور نئے تصورات کو الگ الگ حالات میں استعمال کرنے کے مواقع فراہم کرنا پڑیں گے تب اس کی فہم تشکیل پائے گی۔

ایک بچی اڑتے ہوئے مور کو دیکھ کر کہتی ہے 'کاگا' اور چلتے ہوئے مور کو دیکھ کر کہتی ہے 'بھوں بھوں'۔ اس میں ڈیڑھ سال کی بچی کے تصورات کی نشو و نما ہو رہی ہے یعنی اس کے لیے اڑنے والا پرندہ ہے اور چلنے والا جانور ہے۔ چھ مہینے بعد وہ دیوار پر جا رہی چھپکلی کو بلّی کہتی ہے اور ماں جب اسے 'کاگا' کہتی ہے تو وہ چونکتی ہے۔ اب فرق اور زیادہ واضح ہو گیا ہے۔ یہ اس کے سیکھنے اور فہم قائم کرنے کا طریقہ ہے۔ کسی چیز کو دیکھ کر اکثر بچے یہ پوچھتے ہیں۔ 'یہ کیا ہے؟' وہ یہاں لفظ نہیں پوچھ رہے بلکہ تصورات کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ بچے نے جو زبان پہلے بولنا شروع کی اسی سے وہ سمجھتے ہیں، معنی نکالتے ہیں، وہ معنی ان کے لیے کیا معنی رکھتے ہیں، ہمیں یہ سمجھنا ضروری ہے۔

—ایک شریک کار

زبان اور سماجی مساوات

معاشرتی زندگی، زبان اور انسان بڑے گہرے طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ارتقائی عمل میں ان کا اہم کردار ہوتا ہے۔ بچہ اپنے تجربات کو زبان کے ذریعہ قبول کر کے ان کو بامعنی بناتا ہے۔ یہ عمل کسی زبان کے ذریعہ ہی ہوتا ہے اور یہ زبان بچے کی گھر کی زبان/مادری زبان ہی ہو سکتی ہے۔ یعنی ارتقا کی پہلی کوشش اپنی زبان کے ذریعہ ہی شروع ہوتی ہے کیوں کہ جو جذباتی اور مانوس الفاظ ہوتے ہیں وہ اپنی زبان میں وارد ہوتے ہیں۔

بچہ پہلی مرتبہ اسکول آتا ہے تو اسے یہ سکھایا جاتا ہے کہ اسے اپنی زبان نہیں بولنی ہے۔ ایسی زبان میں بات کرنا ہے جو اساتذہ کی طے کی ہوئی ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس میں اس نے ابھی تک نہ سوچا ہے اور نہ جسے بولا ہے۔ اس کا نتیجہ بے حد خطرناک ہو سکتا ہے۔ ہمیں غور کرنا ہو گا کہ بچہ اپنے آپ کو مادری زبان میں ہی بناتا ہے اور اپنے تجربات کی تشریح بھی اسی زبان میں کرتا ہے۔ تعلیم میں اس سے انکار کرنا محض بچے ہی سے انکار کرنا نہیں ہے بلکہ یہ سماجی مساوات، سماجی انصاف اور آزادی سے بھی انکار

کرنا ہے۔ یہ رویہ 'خاموشی کی روایت' کے ساتھ ساتھ ایک پر تشدد سماج کو جنم دے سکتا ہے۔ کیوں کہ جب لفظوں کے ذریعے اظہار نہیں ہو سکتا تب وہ کوئی دوسرے راستے تلاش کرتا ہے جو غیر سماجی ہو سکتے ہیں۔ عدم تشدد سماج کی تشکیل کے لیے بھی بچوں کو اپنی زبان میں سوچنے، غور و فکر کرنے اور پڑھنے لکھنے کے مواقع فراہم کرنے ہوں گے۔ یہ بے وجہ نہیں ہے کہ گاندھی جی نے آج سے سو سال پہلے (1909 میں) 'ہند سوراج' اپنی مادری زبان گجراتی میں لکھی، انگریزی میں نہیں۔

ہمارا تعلیمی نظام بعض لوگوں کی زبان کو قبول کرتا ہے تو بعض لوگوں کی زبان سے انکار کرتا ہے۔ یہ انکار تعلیم حاصل کرنے کے ذریعہ یا علم حاصل کرنے کے واحد ذریعہ کو مسترد کرنا ہے۔ ہمیں اس پر بھی دھیان دینا ہوگا کہ نئی مشینیں بنانا، تحقیق کرنا، اپنے اور سماج کے بارے میں نئے انداز سے سوچنا تبھی ممکن ہوگا جب ہم اپنی زبانوں میں غور و فکر کر پائیں گے اور یہ اس وقت ممکن ہوگا جب ہر ایک اسکول زبان کی تعلیم کو لچیلا بنائے۔

بچے کے تشخص کا سوال

دو ایسے اسکولوں کا تصور کیجیے جن کی زبان سے متعلق اپنی پالیسی ہے—ایک وہ اسکول ہے جہاں بچہ اسکول میں آتا ہے تو اس کی اپنی زبان خواہ وہ قبائلی زبان ہو یا اس کے گھر کی اپنی زبان اس کو پورے اعتماد اور عزت کے ساتھ کلاس روم میں قبول کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی زبان میں جس طرح بھی بولتا ہو، اسے غلط نہیں کہا جاتا ہے اور نہ ہی اسے 'گنوار' کہا جاتا ہے۔ اپنی زبان میں وہ اپنے والد، دادا یا کسی بھی بڑے کو 'تم' کہتا ہے۔ یہاں تک کہ استاد کو بھی 'تم' کہتا ہے تو اسے بے عزت نہیں کیا جاتا۔ اسے 'گنوار' کہہ کر بٹھا نہیں دیا جاتا ہے۔ یہ اسکول اس بچے کو رفتہ رفتہ لا محدود دنیا اور علم سے جوڑنے کے لیے علاقائی زبان کی طرف کوشش کرتا ہے۔ یہ کام اس کی خودداری اور اعتماد کو ضرب پہنچائے بغیر آہستہ آہستہ کیا جا رہا ہے۔ اس اسکول میں بچے کے سابقہ علم کا استقبال کیا جاتا ہے۔ یہاں بچہ مادری زبان سے ریاستی زبان میں بآسانی داخل ہوتا ہے۔

دوسرا اسکول وہ ہے جہاں داخلے کے ساتھ ہی بچے کی تعلیم ایک اجنبی زبان میں شروع ہوتی ہے۔ وہاں اپنی زبان کا منہ سے نکلتے ہی اسے 'گنوار' کہا جاتا ہے۔ یہ اسکول بچے کی اپنی زبان کو قبول نہیں کرتا ہے۔ اگر ان دونوں اسکولوں اور بچوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ پہلے اسکول سے فارغ ہونے والا بچہ خود اعتمادی سے لبریز ہوگا۔ اپنی جڑوں سے جڑے ہوئے اس بچے کے دل میں اپنی زبان کے تئیں کوئی غلط تصور یا احساس کمتری نہیں ہوگی۔ اُس بچے کو ریاستی اور انگریزی زبان پر بھی مناسب عبور حاصل ہوگا۔ لیکن دوسرے اسکول

سے فارغ ہونے والے بچے کی اپنی زبان کو مسترد کیے جانے کی وجہ سے اس کی خود اعتمادی مجروح ہوگی اور دوسری زبان کے چکر میں پڑ کر اس کا دھیان اظہار کے بجائے صحیح تلفظ اور قواعد کی طرف ہوگا۔ آگے چل کر وہ خیال کے تسلسل کی زبان درست کرنے میں لگا رہے گا۔

دمکا علاقے میں خواندگی کی مہم کے دوران ہندی میں درسی کتب (تعلیم بالغان کے لیے) تیار کی گئیں۔ کتابیں بہت اچھی تھیں لیکن ان سے کسی طرح کی فہم نہیں تشکیل پا رہی تھی۔ تب مقامی لوگوں کی مدد سے نیا درسی مواد تیاد کیا گیا جو بہت مقبول ہوا۔ یہ کتابیں سنتھالی زبان میں بنائی گئی تھیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ شروعاتی دور میں یہی ٹھیک ہوگا لیکن بعد میں کام کاج کی زبان بھی شامل کرنا ضروری ہوگا۔
اس تجربے کا استعمال اسکولی تعلیم میں بھی کیا جانا چاہیے یعنی فہم کی تشکیل کے لیے ان کی اپنی زبان اور پھر دھیرے دھیرے رائج زبان یا رابطہ کی زبان۔
—ایک شریک کار

بچے اپنے آس پاس کے ماحول اور تمام دنیا کو سمجھتے ہیں اور اسکول میں اپنی مکمل شخصیت لے کر داخل ہوتے ہیں۔ اگر اسکول میں اس کے گھر کی زبان سے انحراف کیا جارہا ہے تو بچے نے اب تک جس زبان میں خود کو بنایا ہے، اس سے انحراف کیا جارہا ہے۔ بچے نے جس زبان میں اپنی پہچان کو قائم کیا ہے جس کے ذریعہ دنیا کے بارے میں ایک فہم قائم کی ہے اس سے انحراف کرنا نہ صرف مادری زبان سے انکار ہے بلکہ اس کی فہم کی بنیاد سے بھی انحراف ہے۔ اس لیے ہمیں بچے کی زبان کو قبول کرنا ہوگا۔ اس زبان کی حد بندیاں بھی ہوں گی لیکن ہمیں اسے اس کے ساتھ قبول کرنا پڑے گا۔ شروعاتی دور میں اسے اپنی زبان میں پڑھنے (سمجھنے) کا موقع دینا چاہیے۔ رفتہ رفتہ اسے ریاست کی اور وسیع علم کے دائرے کی زبان کے ساتھ جوڑا جائے۔ اس کوشش میں ریاستی زبانوں کو اس کی اپنی زبان سے متاثر ہونے کی رعایت دینا ہوگی۔ یہ کوشش نئی چیزوں کو مثبت طریقے سے سمجھنے میں مدد کرے گی اور پڑھنا سیکھنے میں خود انحصاری اور خود اعتمادی لائے گی۔ بچوں نے جو زبان پہلے بولنی شروع کی اس میں ان کی سمجھ بنتی ہے اور اسی سے وہ مفہوم نکالتے ہیں۔ وہ مفہوم بچوں کے لیے کیا معنی رکھتے ہیں۔ ہمیں اس بات کو سمجھنا ہوگا اس کے لیے ہمیں کلاس روم میں نئی تیاری کرنی پڑے گی۔

یہ کس قدر تکلیف دہ ہے کہ ہم سوراج کی بات بھی غیر زبان میں کرتے ہیں؟ جس تعلیم کو انگریزوں نے ٹھکرادیا وہ ہمارا سنگار کرتی ہے، یہ جاننے کے لائق ہے۔......وہ جیسے بھول سا گئے ہیں، اس سے ہم اپنی لاعلمی کی وجہ سے چپکے رہتے ہیں۔ان میں اپنی زبان کی ترقی کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ویلز انگلینڈ کا ایک چھوٹا سا پرگنہ ہے۔اس کی زبان ذرے برابر ہے، ایسی زبان کو از سرِ نو زندہ کیا جارہا ہے۔
ویلز کے بچے ویلس زبان میں ہی بولیں ایسی کوشش وہاں کی جارہی ہے۔اس میں انگلینڈ کے خزانچی لارڈ جارج بڑا حصہ لیتے ہیں اور ہماری حالت کیسی ہے؟ ہم ایک دوسرے کو خط لکھتے ہیں تب غلط انگریزی میں لکھتے ہیں...... ہمارے بہتر سے بہتر خیالات ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے انگریزی؛......
اگر لمبے عرصے تک یہی سلسلہ قائم رہا تو میرا یقین ہے کہ آنے والی نسل ہماری تضحیک کرے گی اور اس کی بد دعا ہماری روح کو لگے گی...... مجھے تو لگتا ہے کہ ہمیں اپنی تمام زبانوں کو روشن اور شاندار بنانا چاہیے۔ ہمیں اپنی زبان میں ہی تعلیم حاصل کرنا چاہیے—اس کے کیا معنی ہیں، اسے زیادہ سمجھانے کا یہ مقام نہیں ہے۔ جو انگریزی کتابیں کام کی ہیں، ان کا ہمیں اپنی زبان میں ترجمہ کرنا ہوگا۔

—ہند سوراج سے

- وقت، زبان اور فہم تغیّر پذیر ہیں اور ہمیں تغیر کے اس عمل کا دھیان رکھتے ہوئے ہی معنی نکالنے کے مواقع دینے ہوں گے۔
- بچہ دنیا بھر کی زبانوں کو سیکھنے کی صلاحیت لے کر پیدا ہوتا ہے۔اس کی صلاحیت کا کلاس روم میں احترام کرنا ہوگا۔
- بچے کے تصور، اس کا احساس اور اس کے دیکھنے کی زبان کو کلاس روم میں جگہ دینا ہوگی۔
- ہمیں اسے آوازوں سے کھیلنے کے مواقع دینے ہوں گے۔
- ہمیں اسے اپنے معنی تشکیل کرنے کے مواقع دینے ہوں گے۔
- استاد کو بغیر تعریف کے تصور تک پہنچنے کا طریقۂ کار تیار کرنا ہوگا۔
- نصابی مواد کی حدود کو وسعت میں تبدیل کرنا ہوگا۔
- ترجمہ کے میکانزم کو تخلیقی بنانا ہوگا۔

- بغیر سیاق کے زبان سکھانے کی کوشش کو چھوڑنا ہوگا۔یعنی اس خام خیالی کو دور کرنا ہوگا کہ اب پ ت یا اے بی سی ڈی ہی زبان ہے۔
- زبان بچے کے تشخص، ثقافت اور نشوونما سے جڑی ہوئی ہے۔
- زبان اس کے آگے بڑھنے کا ذریعہ ہے۔
- بچہ کوئی نئی چیز دیکھتے وقت اسے زبان سے جوڑ کر دیکھتا ہے۔
- زبان تجربات کی تشریح کرنے اور تجزیہ کرنے کی بنیاد ہے۔
- جو بچے بول نہیں سکتے ہیں ان کے پاس بھی ایک زبان ہوتی ہے۔استاد کو یہ کام بھی کرنا ہوگا کہ وہ ہندی میں مقامی زبان کے اثر کو بے روک ٹوک آنے دیں، چاہے تلفظ ہو، جملے کی تشکیل ہو یا محاورے ہوں۔اس سے ہندی اور مقامی معاشرہ دونوں کو مضبوطی ملے گی۔

بامعنی تعلیم کی کوشش

ہمارے تعلیمی نظام نے بچوں پر دوسری زبان یا علاقائی زبان تھوپ کر 'خاموشی کی روایت' کو جنم دیا ہے۔ بچوں کی فہم کے سارے دروازے بند کر دینے کی کوشش کی ہے۔ بہت سارے جزائر میں ایک چھوٹا سا ملک 'پپوا گنی' ہے۔اس ملک نے اپنی زبان کی پالیسی کے ذریعے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پرائمری تعلیم چار سو سے بھی زیادہ زبانوں میں دی جاسکتی ہے۔اس ملک نے زبان کو فہم کا وسیلہ بنانے کی کوشش کی ہے۔بچوں کی اپنی زبان کا استعمال کرتے ہوئے انگریزی یا کسی دوسری زبان کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ہمیں بھی اس سمت میں کوشش کرنی پڑے گی۔ہمیں ابتدائی تعلیم کے ضمن میں جاپان، کوریا، کیوبا، فن لینڈ اور کناڈا جیسے ملکوں کی زبان کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔کناڈا نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ کوئی بھی بچہ اپنی زبان کی وجہ سے پیچھے نہ رہ جائے۔ادھر 'حق تعلیم کے قانون' میں مادری زبان میں تعلیم کی بات کو زور دے کر کہا گیا ہے۔بچوں کی بہتر تعلیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بامعنی ہو۔ہمیں یہ بھی کوشش کرنا چاہیے کہ یہ تعلیم بچوں کو ان کی صلاحیت کا یقین دلا سکے۔ایسی تعلیم پہلی زبان یا مادری زبان میں ہی دی جاسکتی ہے۔زبان کے ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلی زبان پختہ ہوتی ہے تو دوسری زبان سیکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

3

کثیر لسانیت

- تعلیمی کمیشن کی کثیر لسانیت کا مقصد
- بچے میں زبان کی صلاحیت
- عمومی قواعد کا تصور
- کثیر لسانیت اور اقلیتی و قبائلی زبانیں
- کثیر لسانیت اور دکنی زبانیں
- کثیر لسانیت اور انگریزی کا کلاس روم
- کثیر لسانی کلاس روم
- کثیر لسانیت کے چیلنج

ایک دن ایک گاؤں میں بڑا شور شرابا ہوا۔ بہت بڑے ماہر فلکیات تشریف لائے ہیں۔ سیاروں کے بڑے واقف کار ہیں۔ دو روز تک اپنی خاطر داری کرواتے رہے اور آسمان کی طرف تاکتے رہے۔ تیسرے روز وہ کہیں نظر نہیں آئے۔ لوگوں نے تلاش کیا۔ ملے بھی تو کہاں بھلا، ایک کنویں میں چھپ چھپ کر رہے تھے۔ لوگوں نے کہا 'جس کو زمین پر چلنے کا راستہ نہیں معلوم وہ بھلا آسمان کے بارے میں کیا جانے گا؟' بچے کی اپنی زبان میں تعلیم کے ضمن میں یہ واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمیں بچوں کی اپنی زبان کو مضبوط بنانا ہوگا۔ اور اس عمل میں ان اصولوں کی بات کرنی چاہیے جنھیں تعلیم کی دنیا میں روبہ عمل لایا جاسکے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ ہمیں زمینی تعلیم کے راستے تلاش کرنے ہوں گے۔ کثیر لسانیت ایک ایسا ہی راستہ ہے۔

تعلیمی کمیشن کی کثیر لسانیت کا مقصد

کثیر لسانیت ہماری زندگی کا ایک ضروری حصہ ہے۔ ہماری تہذیب ہمارے تشخص سے جڑی ہوئی ہے۔ ہم سبھی کثیر لسانی ہیں اور ہمارا کثیر لسانی ہونا ہمیں دوسروں سے جڑنے میں اور ان کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے۔ آج ایک ملک سے دوسرے ملک میں لوگوں کی آمد و رفت بڑھ رہی ہے اور وہاں کے معاشی اور سماجی زندگی میں بھی جگہ بنائی جارہی ہے۔ لہٰذا اس وقت ایک ملک، ایک زبان اور ایک تہذیب کے تصور کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ یہ سوچنا نہ صرف بے معنی ہوگا بلکہ پوری دنیا کے علم سے آنکھیں موندنے کی مانند ہوگا۔

یہ بات ہم سمجھتے ہیں اور اس کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ بات بچوں کی زندگی سے بھی جڑی ہوئی ہے۔ تو پھر بچوں کو اس سے دور کیوں رکھا جاتا ہے۔ بچوں کو سمجھنے کے لیے، ان سے رشتہ قائم کرنے کے لیے، ان کو اسکولوں سے جوڑنے کے لیے ان کی گھر کی زبان اور اسکولی زبان میں ایک پل بنانے کے لیے کثیر لسانیت کا اہم کردار ہے۔

بچے مادری زبان جانتے ہیں۔ آس پاس کے ماحول میں اس کا استعمال ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی اپنی زبان کو مضبوط بنیاد فراہم کرکے ان کی زبان اور دوسری زبان کے درمیان ایک رشتہ قائم کیا جائے۔ اس طرح دو تین اور زبانوں میں اُسے پہنچایا جا سکے جس سے وہ آسانی سے تعلیم حاصل کر سکے۔

مادری زبان کا استعمال ریڑھ کی ہڈی کی طرح جاری رہنا چاہیے۔ لکھنا پڑھنا ہم ایک ہی بار سیکھتے ہیں۔ مادری زبان میں یہ مہارت پختہ ہو جائے تو دوسری زبانوں میں لکھنا پڑھنا بے حد آسان ہو جاتا ہے۔

بچے میں زبان کی صلاحیت

بیشتر بچے اسکول آنے سے پہلے محض ایک زبان نہیں بلکہ کئی زبانیں سیکھ چکے ہوتے ہیں۔ اسکول آنے سے پہلے بچہ تقریباً پانچ ہزار یا اس سے بھی زیادہ الفاظ جانتا ہے۔ لہٰذا کثیر لسانیت ہماری شناخت یا تشخص کا تعین کرتی ہے۔ یہاں تک کہ دور دراز کے گاؤں کا اور برائے نام 'یک لسانی' کا مفروضہ بھی متعدد ترسیلی اظہار کی حالتوں میں صحیح طریقے کی زبان استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ متعدد مطالعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کثیر لسانیت کا وقوفی نشو و نما، سماجی رواداری، غیر مرکوز فکر اور تعلیمی اکتساب سے مثبت تعلق ہوتا ہے۔ اس نظریہ سے سبھی زبانیں جنھیں ہم بولی، قبائلی یا کھچڑی زبانیں کہتے رہے ہیں وہ سب یکساں طور پر سائنٹیفک ہوتی ہیں۔ زبانیں ایک دوسرے کے میل ملاپ سے پھلتی پھولتی ہیں، ساتھ ہی اپنی مخصوص شناخت بھی قائم رکھتی ہیں۔ کثیر لسانی کلاس روم میں یہ لازمی ہونا چاہیے کہ ہر بچے کی زبان کو اہمیت دی جائے اور بچوں کی زبانوں کے تنوع کو تعلیمی طریقوں کا حصہ مان کر زبان سکھائی جائے۔

> تمام بچے چار برس کی عمر میں ہی کئی زبانیں سیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
>
> × × ×
>
> ہندوستان کے آئین کا آرٹیکل 29 کہتا ہے۔ ''اپنی لسانی کی تہذیب کی حفاظت کا حق حاصل ہے۔'' آرٹیکل 30 اور 350 اے بھی اسی پس منظر میں بات کرتے ہوئے اپنی زبان کے تحفظ کی بات کرتے ہیں۔

عمومی قواعد کا تصور

ماہر لسانیات بھی زبان کی تدریس کے پس منظر میں اسی قسم کی بات کہتے ہیں۔ ہر زبان میں مصوتے اور مصمتے ہوتے ہیں۔ ہر زبان کی اپنی خوبی ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنے آپ میں بے مثال ہے۔ مثال کے طور پر 'میں اپنی بات کہنے کی کوشش کر رہا ہوں'، 'ٹرائی کر رہا ہوں'، 'آپ کھانے کی کوشش کرو'، 'ٹرائی کر کے تو دیکھو'، یہاں تمام جملوں میں ٹرائی کا مفہوم تبدیل ہو رہا ہے۔ اس مثال سے واضح ہے کہ ہم معنی الفاظ ہمیشہ ایک معنی نہیں دے سکتے۔ جس شخص کو دو یا دو سے زیادہ زبانوں کا علم ہے اس کے پاس ایک ہی زبان کے نظام کے دو حصے ہیں اور الگ الگ زبانوں کا الگ الگ نظام بھی ہے۔ ''بچے نے بوتل توڑی۔'' یہ اردو، پنجابی یا ہندی کس زبان کے نظام سے تعلق رکھنے والا جملہ ہے؟ تینوں زبانوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ ''منڈے نال میں نی جاسکدی'' (لڑکے کے ساتھ میں نہیں جاسکتی)۔ پنجابی میں منڈے کے ساتھ 'دے' لگانے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمام تر زبان کے اپنے نظام ہیں۔ بچے خود بخود آس پاس بولی جانے والی زبان کی آوازیں، جملے کی ساخت اور لفظ جانتے ہیں۔ دو زبانوں کے درمیان کے فرق کو بھی سمجھتے ہیں۔ زبانوں کی ساختیاتی تشکیل کو بھی جانتے ہیں۔ مثال کے طور پر میسور کا شخص 'کنگھی' کو 'کانگھی' کہے گا۔ اگر ہم زبانوں کے نظام کو پہچان لیں تو سیکھنے میں آنے والی مشکلات کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ جس کے پاس دو یا دو سے زیادہ زبانیں ہیں، اس کے پاس ایک جسم دو روح ہیں۔ یہ 'نشو و نما' کا ہی حصہ ہے۔ ایک بات دھیان رکھنا ضروری ہے کہ زبان مٹ جائے گی تو اس کے ساتھ تہذیب بھی مٹے گی۔ افریقہ میں زبان مٹنے کی وجہ سے ایک تہذیب ختم ہونے کی کگار پر پہنچ گئی تھی لیکن لوگ وقت پر ہوشیار ہو گئے۔

> ناگالینڈ میں اگرچہ انگریزی کو سرکاری کام کاج کی زبان بنا دیا گیا ہے لیکن ضرورت کے مطابق سے 17 قبائلی زبانوں کو بھی ابتدائی سطح (تعلیم) پر قبول کیا گیا ہے۔ ایک زبان تو ایم اے تک پڑھائی جاتی ہے۔ سروشکشا ابھیان کے ذریعے کوشش کی جا رہی ہے کہ بچوں کو انھیں کی زبان میں پڑھایا جائے۔

کثیر لسانیت اور اقلیتی و قبائلی زبانیں

عام طور پر کم لوگوں کے ذریعہ بولی جانے والی زبانوں کے بچے اسکولوں میں نہیں آپاتے۔ کثیر لسانیت کا احترام کر کے ہم ان سبھی بچوں کو تعلیم کے دائرے میں لا سکتے ہیں۔ کثیر لسانیت کے ضمن میں لسانی

اقلیتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ انھیں اپنی زبان میں ابتدائی تعلیم دی جائے۔زبان کے تحفظ کے لیے ایک ایجنسی بھی قائم کی جائے۔ایک کمیشن لسانی اقلیتوں کے لیے موجود ہے جس کے مطابق موجودہ حالت یہ ہے کہ کچھ زبانیں ایسی بھی ہیں جو اقلیتی نہیں ہیں تب بھی تعلیم کے خیمے سے باہر ہیں۔

تحقیقی مطالعے یہ بھی کہتے ہیں کہ قبائلی بچوں کو آگے لانے کے لیے ہی کثیر لسانیت کی بات کی گئی ہے۔قبائلی بچے جب اسکول میں آتے ہیں تو انھیں نئی زبان ملتی ہے خواہ اسامیہ ہو یا کوئی اور زبان۔انھیں اس مقصد سے اسکول لایا جائے کہ انھیں عام دھارے سے جوڑنا ہے۔بھلے ہی ان کی زبان چینجو ہو یا کوئی اور ہو۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس زبان میں ان کی تہذیب کی فہم بنی ہے اس سے ہی دور ہو جاتے ہیں۔

کثیر لسانیت اور دکنی زبانیں

ایک خیال یہ بھی ہے کہ دکنی ہندوستان میں فہم کے لیے وہاں کی اپنی زبان تمل، کنڑ، تیلگو یا ملیالم اور انگریزی ہی کافی ہیں۔سہ لسانی فارمولے کے مطابق تیسری زبان کے طور پر ہندی پڑھنا ان کے لیے بوجھ ہو سکتا ہے۔ سبھی ریاستوں کی اپنی سرکاری زبان ہے۔بچوں کی اپنی اپنی اور بھی زبانیں ہیں اور تیسری زبان انگریزی بھی ہے۔اب سوال یہ اٹھ سکتا ہے کہ اتنی زبانوں کے ہوتے ہوئے ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہی کیوں؟

اس ضمن میں یہ غور طلب ہے کہ بہت سے بچے پانچویں کے بعد پڑھائی لکھائی چھوڑ دیتے ہیں۔ مادری زبان وہ پہلے سے ہی جانتے ہیں۔لٰہذا پانچویں تک کی پڑھائی لکھائی ان کی مادری زبان میں ہو تو پڑھائی آسان ہو جائے گی ورنہ پانچوں سال دوسری زبان سیکھنے کے چکّر میں ہی گذر جائیں گے اور وہ بامعنی جیسا کچھ نہیں کر پائیں گے۔سہ لسانی فارمولہ کثیر لسانیت تصور نہیں ہے نہ ہی یہ کوئی پالیسی ہے۔اسے ایک پروگرام کہا جا سکتا ہے۔اس میں زبانوں کے تنوع کی بات کو از سر نو دیکھے جانے کی ضرورت ہو گی۔یہ کثیر لسانیت کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

کثیر لسانیت اور انگریزی کا کلاس روم

انگریزی زبان کی تدریس کا مقصد ایسے لوگوں کو تیار کرنا ہے جو کئی زبانیں بولنے والے ہوں اور ہماری سبھی زبانوں کو متمول کر سکیں۔یہی منظور شدہ اور قومی نظریہ بھی ہے۔اس لیے انگریزی زبان خواہ جس جماعت (I-III یا IV یا V/VI) سے شروع کیا جائے وہ بامعنی حالات میں سکھائی جائے۔ لیکن عام

طور پر انگریزی کی کلاس میں مادری زبان کا داخلہ خفیہ در انداز کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جواب لکھواتے وقت معلم سبق کے ساتھ ساتھ ترجمہ اور تشریح کرتا چلتا ہے۔ فہم بنانے کے عمل میں بچے کی مادری زبان کو دھڑلے سے استعمال میں لا کر یا انگریزی سے منسلک کر کے صحیح جگہ دی جا سکتی ہے۔ پربھو (1987) نے اس کے لیے ایک مثال پیش کی ہے۔ ''بنگلور پروجیکٹ میں مادری زبان کے استعمال کی حد کام کی ضرورتوں کے تحت بآسانی ہی مقرر ہو گئی تھی۔ وہاں مواد انگریزی میں تھا اور جواب بھی انگریزی میں ہی آتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر مادری زبان نے ہی انگریزی کو قابل فہم بنایا۔ اگر انگریزی میں مختلف نوعیت کا مواد حاصل ہوا اور اسے سمجھنے کی حقیقی کوشش ہو تو مادری زبان دخل اندازی نہیں کرتی، بلکہ معاون ہوتی ہے۔'' کریشن (1985:94) بتاتے ہیں کہ ''ساتھ ساتھ کیا جانے والا ترجمہ بااثر نہیں ہوتا۔'' پہلی زبان کو پس منظر میں استعمال کرتے ہوئے ہدف زبان کے مواد کو قابل فہم بنانے کے لیے کلاس روم میں دو زبانوں کا استعمال کیا جائے۔

انگریزی زبان کی تدریس کے لیے مواد تیار کرنے کے لیے مادری زبان کے بامعنی استعمال کی فہم بنانے میں اساتذہ کی حصہ داری طے کرنے کی ضرورت ہے۔ زبان کی تدریس کی بامعنی سطحیں کیا ہو سکتی ہیں؟ اس موضوع پر اساتذہ کی نفسیات کو دھیان میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

کچھ امکانات

- پرائمری اسکولوں میں زبانوں کے درمیان اور ''زبان'' اور ''مضامین'' کے درمیان حائل رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ پرائمری سطح پر یا کم از کم درجہ 1 سے 3 تک جو سرگرمیاں بچے کو اپنے ارد گرد کی دنیا کے تئیں حساس بنانے کے لیے انجام دی جاتی ہیں، وہ انگریزی کے ساتھ ساتھ مادری زبانوں میں دی جا سکتی ہیں (داس، 2005)۔ اس نوعیت کی کثیر لسانی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے مواد تیار کرنے اور اساتذہ کے تعاون سے ایک واضح تکنیک کے اشارات تیار کرنے کی ضرورت ہے جس میں ایک سے زیادہ زبانوں سے مثالیں دی ہوں۔ ان میں کوڈ تبدیلی کی اجازت بھی ہونی چاہیے۔
- ایک سے زیادہ زبانوں میں ایک سا سبق استعمال کرنا۔ یہ ایک ہی کہانی ہو سکتی ہے۔ جیسے این بی ٹی نے انگریزی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبانوں میں بھی کہانیاں چھاپی ہیں (دیکھیے امرتاولی اور رامیشور راؤ، 2001)۔ پرامس فاؤنڈیشن نے چار ہندوستانی زبانوں اور انگریزی میں ضخیم کتابیں تیار کروائی ہیں

۔ سی آئی ای ایف ایل (CIEFL) کے زبان سے متعلق پورے نظریے کے تحت ذولسانی کتابیں تیار کی گئی ہیں۔ ایسے اسباق ایک دوسرے کے لفظی ترجمے ہوں ایسا ضروری نہیں ہے لیکن ان میں ہم معنی الفاظ ضرور شامل ہوں۔ ان اسباق میں ایک جیسی زبان کی سرگرمی جیسے تک بندی، صوتی کھیل وغیرہ شامل ہوں تاکہ بچے زبان کی صوت اور ساخت کے تئیں باشعور ہوں۔ پڑھنا ایک متواتر مہارت ہے۔ ایک زبان میں پڑھنے کی مہارت دوسری زبان کو سیکھنے میں مدد کرتی ہے (ویسٹ، 1941)۔ یہ محض ایک جیسے رسم الخط والی زبانوں میں نہیں بلکہ الگ رسم الخط والی زبانوں میں بھی سود مند ہوتا ہے (ویسٹ نے بنگلہ اور انگریزی میں کام کیا ہے: دو رسم الخطوں کی حالتوں اور پڑھنے کے تواتر کے بارے میں اب تھوڑی بہت معلومات موجود ہے)۔

- اوپر دی گئی تجاویز متوازن یا ساتھ ساتھ کام کرنے والی زبانوں کے بارے میں ہیں۔ وہیں ذولسانی پڑھنے پڑھانے والے کے لیے یا مرکب کوڈ کے ذولسانی اسباق پر بھی عملی کام موجود ہیں (دیکھیے ڈوویرا نیشنل 2005، فیلیکس 1998) ان کے تعلیمی امکانات کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔

—انگریزی کی تدریس۔ نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر، صفحہ 14-13

کثیر لسانی کلاس روم

کسی بھی زبان کو کیسے پڑھاتے ہیں؟ اس کے لیے پہلے ہمیں تحریر کی سائنس کو سمجھنا پڑے گا۔ یہاں دماغ اور ہاتھ کا تال میل ضروری ہے۔ 5-6 سال کی عمر تک یہ نشو و نما پختہ نہیں ہوتی اس لیے لکھنے میں مشکل آتی ہے۔ لیکن تحقیق یہ بھی کہتی ہے کہ بچے کے ذہن میں پرنٹ کا تصور یا فہم بنانے کے لیے پڑھنے کے ساتھ لکھنا بھی شروع کرنا چاہیے۔ یہ لکھنا سطروں کی شکل میں ہو سکتا ہے، یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ اس سمت میں سننا اور بولنا بہت اہم ہے۔ حساب سکھانے کی بات کی جائے تو بچے حساب پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ ٹافی تقسیم کرنا بغیر سکھائے آجاتا ہے۔ اسی طرح پانی کی تین شکلوں— ٹھوس، رقیق اور بھاپ کو مادری زبان کی مدد سے بہتر طور پر سمجھایا جا سکتا ہے لیکن بچے کے ذہن پر تصورات واضح ہو جانے کے بعد۔ مادری زبان کے ذریعہ تکنیکی لفظوں کا لین دین بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ دوسری اور تیسری زبان کا بھلے ہی اضافہ ہو جائے لیکن مادری زبان کا استعمال جاری رہنا چاہیے۔ وہ اپنی مادری زبان کے ذریعہ دوسری زبانوں کو سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں تو محض تعلیم کے دریا پر ایک بہتر اور مضبوط پل بنانا ہے۔

غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ ہم وہ سنتے اور سمجھتے ہیں جو پہلے سے نہیں معلوم ہوتا۔ باقی سب کچھ معمولی سا لگتا ہے اس لیے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ جو مزدور بہار سے آسام اور پنجاب وغیرہ جگہوں پر جاتے ہیں وہ وہاں کی زبانیں بھی ضرورت کے مطابق سیکھ لیتے ہیں۔

یونیسکو کے تعلیمی پرچے (2003) کے مطابق ابتدائی تعلیم کے لیے مادری زبان بے حد ضروری ہے اور اسے جہاں تک ممکن ہو برقرار رکھا جانا چاہیے۔ بعض مطالعات (جیسے سہگل، 1983) سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بچے مادری زبان کے ذریعۂ تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ زبان اور قابلیت کی سطح پر انگریزی ذریعۂ تعلیم سے پڑھ رہے اسی سطح کے طلبا کے مقابلے میں کسی طرح بھی کم تر نہیں ہوتے۔ 15 تا 17 برس کے 78 بچوں پر کی گئی تحقیق کے بعد گپتا (1995) کا کہنا ہے کہ ابتدائی سطح پہ دو برسوں تک مادری زبان کا بطور ذریعۂ تعلیم استعمال بچوں میں مادری زبان اور ثانوی زبان میں زیادہ بہتر صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

—ہندوستانی زبانوں کی تدریس۔ نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر صفحہ 15

کثیر لسانیت کے چیلنج

- سب سے پہلی بات یہ ہے کہ زبان کی شکل میں زبان پڑھانا الگ بات ہے اور ذریعۂ تعلیم کے طور پر الگ ہے۔ زبان کی تدریس محض زبان کے استاد کا ہی کام نہیں ہے۔ دوسرے مضامین کو پڑھنا پڑھانا زبان کے اجزا کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ سائنس میں بھی اسم، فعل اور ضمیر ہوتے ہیں۔ ہندی یا کسی بھی زبان کی ساخت اور سائنس کے تصورات ساتھ ساتھ چلنا چاہیے۔ کثیر لسانیت میں دوسری مشکل رسم الخط کی آتی ہے۔ مثال کے طور پر زیمی (آسام اور ناگالینڈ میں) کے لیے رومن رسم الخط استعمال ہوتا ہے۔ اس عمل میں وہ بچے کو 'اے' سے 'زیڈ' تک سکھائیں گے جب کہ زیمی میں یہ تمام الفاظ استعمال میں نہیں آتے۔
- تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسکولوں میں بولنے اور سننے کی بجائے لکھنے اور پڑھنے پر زیادہ زور ہوتا ہے۔
- تدریسی امدادی اشیا کا استعمال بھی ایک مسئلہ ہے۔ وہ نہ تو دل چسپ ہوتی ہے اور نہ ہی اس

آج کی کلاسوں میں انگریزی میں پڑھائی دیکھ کر کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ پہلے لوگ ہیرے جواہرات لوٹتے تھے۔ آج کل زبان کے ذریعے دل و دماغ لوٹتے ہیں۔

—ایک شریک کار

پس منظر سے میل کھاتی ہے۔ مثلاً اڈیشہ کی قبائلی ذاتوں میں یوم پیدائش پر تحفے دینے کا رواج نہیں ہے لیکن اس طرح کی مثالیں شامل کر لی جاتی ہیں۔

- ایک مسئلہ زبان کے استاد کی تقرّری سے تعلق رکھتا ہے۔ زبان کے استاد کی تقرری نہیں کی جاتی۔ کسی بھی شخص یا کسی بھی مضمون کے استاد کو یہ کام دے دیا جاتا ہے۔ زبان ہی تو پڑھانی ہے۔
- معاشرے کو کسی بھی سطح پر جوڑنے کی پہل نہیں کی جاتی۔ ابتدائی سطح پر مادری زبان کا پڑھانا ضروری ہے۔ بعد میں اس میں اور زبانوں کو جوڑا جا سکتا ہے۔ مشکلات ضرور پیش آئیں گی لیکن ان کے حل بھی تلاش کیے جا سکتے ہیں۔
- ہم جب کلاس روم میں پڑھائیں تو ایک زبان کا رشتہ دوسری زبان سے جوڑیں۔ اکیلے ایک ہی زبان کو لے کر چلیں گے تو کلاس روم میں بات ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن تکلیف اسی بات کی ہے کہ جس طرح سے کھیت کھلیان، چِٹھی وغیرہ ختم ہوتے جا رہے ہیں اسی طرح بہت سے الفاظ بھی ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ پوال کا ٹال، میہہ، گون، ڈال، انچ، اُریب، بھوجب وغیرہ الفاظ استعمال میں ہی نہیں رہ گئے ہیں۔

> بلر ٹز زبان کا اسکول... کر کے سیکھنے والوں کے لیے وسائل کی ایک بہتر مثال ہے۔ ایسے اسکول قانون بنا کر ہمیں مجبور نہیں کرتے کہ ہمیں ایک اور زبان سیکھنا ہی پڑے گی۔ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ ایک اور زبان سیکھ لینے سے ہمیں اچھی نوکری مل جائے گی یا ہم کامیاب اور خوش حال ہو جائیں گے اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ نہ سیکھنے پر ہم ناکامیاب اور غریب ہو جائیں گے۔ وہ اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کرتے یا دھمکی نہیں دیتے۔ وہ صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ اگر ہم ایک اور زبان بول سکیں تو ہم زندگی کا لطف اٹھا سکیں گے۔
>
> — تعلیم کے بجائے، جان ہالٹ

ادیبوں کو بھی اس طرف توجہ دینی ہوگی کہ کثیر لسانیت کی وجہ سے ہی ہم دوسری زبانوں کو جان پاتے ہیں۔ کبیر کثیر لسانی صوفی شاعر تھے۔ انھوں نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے 'سدھکڑی' زبان اپنائی۔ حبیب تنویر کا 'آگرہ بازار' اور بھکاری ٹھاکر کا مشہور ناٹک 'بدیسیا' کثیر لسانیت کی ایک مثال ہے۔

ہمارا ملک کثیر لسانی ملک ہے۔ اس لیے بہت سی زبانوں کو جاننا نہ صرف ہمیں ایک دوسرے سے ہی جوڑے گا بلکہ زبانوں کو بھی ایک دوسرے سے جوڑے گا۔ زبان خیالات کا پہیہ ہے اور ذولسانی ہونا انسانی فطرت ہے۔ ہم ایک ایسا سماج بنانا چاہتے ہیں جہاں بہت سی زبانیں بولی جائیں لیکن اپنی زبان میں اور سب کو یہ

محسوس ہو کہ یہ بات آخر کار اس کے بارے میں ہے۔

جارج اسٹائنر نے اپنی کتاب ''دی ماڈرن ورس ان ٹرانسلیشن''، میں اپنی ماں کے نام منسوب کرتے ہوئے لکھا تھا— ''ٹومائی مدر ہو اسپیکس سیورل لینگویجز بٹ ان ہر اون ٹنگ''(ماں کے لیے، جو بہت ساری زبانیں بولتی ہے لیکن اپنی زبان میں)۔

ساتھ گئی 'بو' زبان، خطرہ آگے بھی

انڈمان میں ایک 85 برس کی خاتون بوا سینئر کے انتقال کے ساتھ ہی قدیم زبان 'بو' کو آگے لے جانے والی کڑی ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئی۔ اسے علم زبان کے شعبے میں ایک ایسا نقصان بتایا جاتا ہے جس کی کبھی بھی تلافی نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ وہ دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک زبان کو بولنے والی آخری فرد تھیں۔ واضح رہے کہ انڈمان کی قدیم زبانوں کا ماخذ (منبع) افریقہ کو مانا جاتا ہے۔ کئی انڈمانی زبانیں تو 70 ہزار سال تک پرانی مانی جاتی ہیں۔ مشہور ماہر لسانیات پروفیسر انویتا ابّی کا کہنا ہے کہ اپنے والدین کے انتقال کے بعد گذشتہ 30-40 برسوں سے بوا سینئر بو زبان بولنے والی آخری شخص تھیں۔ بوا اکثر خود کو بہت تنہا محسوس کرتی تھیں۔ دوسرے لوگوں سے بات چیت کے لیے انھیں انڈمانی ہندی سیکھنا پڑی تھی۔

چوں کہ انڈمان زبانوں کو قدیم عہد سے چلی آرہی زبانوں کا آخری نمونہ تسلیم کیا جاتا ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ بوا سینئر کے انتقال سے زبانوں کی گتھی کا ایک سرا ہمیشہ کے لیے گم ہوگیا۔ انڈمان کی قبائلی ذاتوں کو چار گروپ میں رکھا جاتا ہے۔ گریٹ انڈمانی، جاروا، اونگی اور سنٹنلی۔ بوا سینئر گریٹ انڈمانی گروپ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اب اس قبیلے کے قریب 50 لوگ ہی بچے ہیں جن میں بیشتر بچے ہیں۔

— بی بی سی کی خبر کی بنیاد پر

4

مضامین کے مرکز میں

زبان

- تاریخ کے آئینے میں
- تمام مضامین کا استاد زبان کا استاد ہے
- غور وفکر کی آزادی اور اساسیت کا سوال
- زبان اور دیگر مضامین
- تکنیکی اصطلاحات اور بچے کی فہم
- اعلیٰ تعلیم اور دیگر مضامین

زبان ایک آلہ ہے جس کا استعمال ہم زندگی کو سمجھنے، اس سے جڑنے اور اسے پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

زبان محض ترسیل کا ہی ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیلہ بھی ہے جس کی مدد سے ہم بیشتر معلومات حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک نظام ہے جو بڑی حد تک ارد گرد کے حقائق اور رونما ہونے والے واقعات کو ہمارے دماغ میں مرتب کرتا ہے۔ کئی طریقوں سے یہ ہماری شناخت کا ایک نشان ہے۔ زبان سماج، اور اقتدار سے اور قوت نزدیکی طور پر جڑی ہوئی ہے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم زبان کا استعمال محض دوسروں سے بات چیت میں ہی نہیں بلکہ خود اپنے آپ سے بات کرنے کے لیے بھی کرتے ہیں۔ اصل میں یہ اس کا بے حد اہم کام ہے۔ ہم اپنے خیالات کس طرح واضح کر سکتے ہیں جب تک خود سے ہی بات چیت کرنے کے سلیقے سے واقف نہ ہوں۔

مختلف مضامین جیسے تواریخ، طبیعیات یا ریاضی سے بات کرنے یا سمجھنے کے لیے بھی ہمیں زبان کی ضرورت پڑتی ہے۔ خواہ ہم فطرت کا نظارہ کریں یا سماج کو دیکھیں، بڑی حد تک ہم اپنی زبان کے نظام کی مدد سے ہی ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

غریب طبقے کے جو بچے انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں میں داخل ہو رہے ہیں ان سب کی کہانی تقریباً ایک سی ہے۔ وہ زبان کے ساتھ تال میل نہیں بنا پاتے ہیں اور وہ رفتہ رفتہ حاشیے کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ داخلے کے لیے حکومت کے کئی قسم کے منصوبے ہیں۔ معلوم نہیں وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہے ہیں کہ زبانوں کی تفریق انھیں کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔

ایک بچے کے والدین کی خواہش تھی کہ ان کا بچہ انگریزی میڈیم سے تعلیم حاصل کرے۔ اس بچے کو اپنے گھر کے ارد گرد انگریزی زبان کا ماحول حاصل نہ تھا۔ وہ بچہ دھیرے دھیرے پچھڑتا چلا گیا۔ ساتویں آٹھویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے وہ کئی مضامین میں فیل ہونے لگا جس کے سبب اس کی خودداری اور تخلیقیت دھیرے دھیرے صفر ہو گئی۔ ایسی صورت حال میں آخر کار اس بچے کو ہندی میڈیم اسکول میں داخل کرنا ہی پڑا۔ کیوں کہ انگریزی میڈیم اسکول نویں دسویں جماعت میں داخل کرنے سے منع کر رہا تھا۔ پہلے تین چار مہینے تک بچے کو ایک نئے ماحول کو سمجھنے میں وقت لگا لیکن اس کے بعد اس بچے نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ کیوں کہ اب اسے تمام مضامین سمجھ میں آ رہے تھے 'اپنی زبان میں'۔ وہ اپنی سمجھ کو اپنے ارد گرد ماحول سے وابستہ کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ نویں جماعت کے سالانہ امتحان میں اول نمبر سے پاس ہوا۔

—ایک شریک کار

تاریخ کے آئینے میں

یہ بات غور طلب ہے کہ عہد وسطیٰ اور اس کے بعد دست کاری کی جو ترقی ہوئی وہ اپنی اپنی زبانوں کی مدد سے ہوئی تھی۔ دست کاری کے لیے اس کے مراکز الگ الگ ہوتے تھے۔ وہاں وہ اپنی اپنی زبانوں میں علم اور مہارت فراہم کرتے تھے اور نسل در نسل وہ مہارت آگے بڑھ رہی تھی۔ اب وہ بھی ختم ہو گئی کیوں کہ سرمایہ کاری کے فروغ نے ان تمام دست کاریوں کو بھی تباہ کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ دست کاری کے ساتھ وابستہ محاورے بھی ختم ہو گئے۔ وہ زبانیں بھی ختم ہو گئیں۔ وہ دست کاریاں جو فہم کا ایک وسیلہ تھیں، وہ بھی ختم ہو گئیں۔ اسی طرح جنھیں قبائلی زبانیں کہا جاتا ہے، علم کا ایک بیش قیمت سرمایہ جو قبائلی گروہ کے پاس تھا، ختم ہوا اور ختم

500 قبل مسیح بنارس میں ایک واقعہ رونما ہوا تھا۔ مہاتما بدھ نے پہلا اپدیش ایک لوک زبان میں دیا تھا۔ اس خطاب نے زبانوں کی حدود کو پار کرتے ہوئے پورے ہندوستان میں اور پورے ایشیا میں ایک جیوتی جلائی تھی۔ عہد وسطیٰ میں وارانسی میں جب کبیر نے کہا کہ ''سنسکرت ہے کوپ جل، بھاشا بہتا نیر'' اس وقت بھی بہت ساری زبانیں وجود میں تھیں۔ لیکن ہندوستان کی تمام زبانوں میں یہ آواز پہنچی۔ بھکتی تحریک نے پورے ملک کو یک جہتی کے ایک دھاگے میں باندھا اور ایک آواز سنی۔

—ایک شریک کار

کیا جارہا ہے۔ ابھی جو قبائلی علاقے موجود ہیں ان میں بھی ذریعۂ تعلیم یا تو انگریزی ہے یا ہندی۔ خاص طور پر وہاں انگریزی کی طرف جھکاؤ ملتا ہے اور وہاں بھی اپنی زبانوں کی پڑھائی نہ کے برابر ہے۔ اس سے دیسی لوک فنون اور دست کاریوں کے ختم ہونے کے خطرے بھی بڑھے۔ دست کاریوں اور فنون اور موسیقی کو بچانے کا ابھی ہمارے پاس واحد راستہ ہے۔ اپنی زبان پر مضبوط پکڑ بنانا۔

تمام مضامین کا استاد زبان کا استاد ہوتا ہے

دماغ میں زبان کے ساتھ مسئلہ حل کرنے کا عمل کس طرح وقوع پذیر رہتا ہے اور کس طرح تصورات کو ترقی کی طرف لے جاتا ہے اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو فہم کا وسیلہ طے کرنا آسان ہو جائے گا۔

تصورات کی نشو و نما تصورات قائم کرنے سے نہیں ہوتی۔ ادب کی کوئی شکل نہیں ہوتی لیکن وہاں بھی تصورات کی ارتقا ہوتی رہتی ہے۔ سماجی علوم کے بہت سے تصورات نقشے کی مدد سے بنتے اور ظاہر ہوتے ہیں۔ نقشے کو حساب کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے۔ حساب ہی نقشے کو سمجھنے کے لیے مخصوص فہم قائم کرتا ہے۔ نقشے تاریخ پر بھی نظر ڈالنے میں مدد کرتے ہیں۔ حساب کے تصورات قائم اور مستحکم ہیں، اس لیے ان کا تانا بانا سمجھ میں آ جاتا ہے۔ لیکن سماجی علوم کا تانا بانا بدلتا رہتا ہے جو اپنی زبان سے ہی سمجھ میں آتا ہے۔

پرائمری تعلیم کی پوری درسیات میں زبان کا پس منظر خاص اہمیت کا حامل ہے۔ متعدد با معنی حوالوں کے ذریعہ ہی زبان سب سے بہتر طریقے سے سیکھی جا سکتی ہے۔ اسی لیے مضمون کی تدریس ایک معنوں میں زبان کی تدریس ہی ہے۔ یہ پس منظر ثانوی تعلیم کے مستحکم تصورات کے پس منظر میں زبان کی مرکزیت کو اجاگر کرتا ہے۔ جہاں شروعاتی سطح پر سیاقی معنی زبان کے استعمال کو فروغ دیتے ہیں وہیں بعد کی سطحوں پر محض زبان کے ذریعہ ہی معنی کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ زبان تعلیم کے مرکز میں ہے اور ہر استاد پہلے زبان کا استاد ہے بعد میں مضمون کا۔

— ایک شریک کار

غور و فکر کی آزادی اور اساسیت کا سوال

گاندھی جی نے نئی تعلیم کا منصوبہ بناتے وقت اپنے ایک دوست کی پاٹھ شالا میں بچوں سے سوال کیا۔ ''ایک شخص ایک سیب چار آنے میں خریدتا ہے اور ایک روپیے میں فروخت کرتا ہے تو اسے کیا حاصل ہوگا؟''

گاندھی جی کا ماننا ہے کہ بچہ اگر جواب میں یہ نہیں کہتا کہ ''اسے جیل ملے گی''تو وہ یقیناً زبان کو حساب سے تال میل بنا کر دیکھنے والا آزاد ہندوستان کا بچہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ ہمیں اپنے بچے کو ایسی آزادی دینی پڑے گی جس میں وہ اپنی زبان میں اپنی بات ظاہر کر سکے۔ یہ اپنی زبان میں تعلیم سے ہی ممکن ہے۔

سائنس کے طالب علم پر دوہری ذمہ داری ہے۔ انھیں ایک ساتھ دو زبانوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ ایک فہم کی زبان اور دوسری سائنس کی۔ سائنس علامتوں میں بات نہیں کرتی۔ وہ صاف بیانی کا تقاضہ کرتی ہے۔ وہ بے باک تبصرہ کرتی ہے۔ سائنس کے طالب علم کو غیر مقلّد بھی ہونا پڑے گا۔ مہاتما بدھ نے کہا تھا کہ ''باتوں کو اس لیے مت مانو کہ بزرگوں نے کہا تھا۔ اسے جانچو، پرکھو، تب مانو۔'' یہ سب کچھ تعلیم میں اپنی زبان کی آزادی کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ آزادی استاد کو دینا پڑے گی۔ ہر استاد خواہ وہ حساب کا ہو یا سائنس کا، وہ زبان کا ہی استاد ہوتا ہے۔ زبان پڑھانا سب کی ذمہ داری ہے، صرف زبان کے استاد کی نہیں۔ حساب، سماجی علوم اور معاشیات جیسے مضامین میں بنیادی فکر بھی اپنی زبان میں تعلیم سے ہی ممکن ہے۔

زبان اور دیگر مضامین

زبان ہم سب کے ذہن میں ہے۔ تصورات کا ڈھانچہ اسی زبان سے بنتا ہے۔ اپنے تجربوں کی بنیاد پر ہم سب اپنے ذہن میں ابھرتی تصویر کو حقیقت کی شکل دے کر علم کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ریاضی اور سائنس سبھی میں ایسے تصورات موجود ہیں جو مختلف چیزوں کی شکلوں کو ہمارے سامنے اسی شکل میں پیش کر دیتے ہیں جیسے زمین دائرہ نما ہے؛ یہاں دائرے کا تصور ہمارے سامنے خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ دو روٹی تین بھائی۔ ہم روٹی کو دو سے، بھائی کو تین سے جوڑ پاتے ہیں۔ چار برس کا بچہ یہ سب کچھ کر لیتا ہے۔ کرسی کی تعریف سب لوگوں کی اپنی اپنی اور الگ الگ ہوگی۔ کس طرح سے ایک تصور کے ساتھ دیگر تصورات کا رشتہ قائم ہوتا ہے، یہ بات بچے جانتے ہیں اور اسکول میں جو تعریفیں بتائی جاتی ہیں، جس طریقے سے بتائی جاتی ہیں، ان سے شاید شبہ پیدا ہوتا ہے۔ بچے کی ایک اپنی زبان ہوتی ہے جس میں اس نے اپنی شخصیت بنائی ہے۔ ایک معاشرے کی زبان ہے، پھر مضمون کی زبان بھی اہمیت رکھتی ہے جس میں اسے معلومات حاصل کرنی ہے۔ جو زبان بچے جانتے ہیں اس میں پڑھنا لکھنا اور باتوں کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ اس پر عمل پیرا کس طرح ہوں یہی ہمیں طے کرنا ہے۔ اگر پڑھنے لکھنے کے ابتدائی برسوں میں اپنی فہم پیدا کرنے یا اسے تقویت دینے کے لیے اپنے الفاظ ملیں تو چیزیں آسان ہو جاتی ہیں، تصویر بنانا آسان ہو جاتا ہے۔

اسکولوں میں ریاضی میں 'سلینڈریکل' کے لیے 'اسطوانی' لفظ سکھایا جاتا ہے۔ یہ لفظ بچے کے دماغ میں کون سی تصویر بناتا ہے — گیند، سرکل، دائرہ، دائرہ نما وغیرہ۔

تکنیکی اصطلاحات اور بچے کی فہم

یہاں پر ہم بچے کی سابقہ معلومات کو نئے علم اور نئی لفظیات کے ساتھ رشتہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اسطوانی کی جگہ چوڑی کی شکل، گیند کی شکل جیسے الفاظ کیوں نہیں استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ چُمبک کے لیے مقناطیس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ عام طور پر استعمال نہیں کیے جاتے تو پھر نامانوس لفظوں کا بوجھ کیوں بڑھایا جائے۔ اسی لیے بچے کی حالت یہ ہے کہ قوت، طاقت، زور، توانائی ان تمام الفاظ کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں جب کہ تکنیکی استعمال میں ان کے معنی بدل جاتے ہیں۔ ہم بچے کے ذہن کو استعمال میں لا سکتے ہیں؟ چند مثالیں این سی ای آر ٹی کی درسی کتابوں سے—

سیما کا سیکڑہ

سیما نے الگ الگ قسم کی بندیوں سے ایک ڈیزائن تیار کیا ہے۔

- الگ الگ گروپ کو غور سے دیکھو اور بندیوں کی کلی تعداد کا اندازہ لگاؤ۔
- بعض اور گروپ کی تصاویر بناؤ تاکہ 100 بندیاں پوری ہو جائیں۔ تمھیں کتنی اور بندیاں بنانی پڑیں؟...

ماخذ: ریاضی کا جادو، کتاب 2، درجہ 2، این سی ای آر ٹی

بچے کتنی آسانی سے ریاضی سیکھ رہے ہیں اور اپنے آس پاس کے ماحول سے جڑ رہے ہیں۔

Chapter 4.indd 32 20-Jun-24 10:46:05 AM

پتّے

کیا سبھی پتوں کا رنگ، شکل اور کنارے ایک جیسے ہیں؟
دیارام نے کہا— مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ پتے اتنے قسم کے ہوتے ہیں۔ دیکھو، کوئی گول ہے، کوئی لمبا اور کوئی تکونہ!
امو بولی—ان سب کے رنگ بھی کتنے الگ ہیں۔ کوئی ہلکا ہرا تو کوئی گاڑھا ہرا۔ کوئی تو پیلا، لال، بیگنی ہے۔ ایک پتہ ہے تو ہرا، لیکن اس میں سفید دھبے ہیں۔
شبنم بولی— دیکھو، پتوں کے کنارے بھی تو کتنے الگ ہیں۔ کسی پتی کا کنارا سیدھا ہے تو کسی کا کٹا پھٹا، کچھ کے کنارے تو آری کی طرح ہیں۔ اب میں بنوں گی 'پودوں کی پری۔' امو اور شبنم ایک ساتھ بولے۔
کچھ پتے جمع کرو جیسے لیمو، آم، تلسی، پودینہ، ہرا دھنیا۔ ان پتوں کو مسلو اور ان کی مہک سونگھو۔ کیا سبھی پتوں کی مہک ایک جیسی ہے؟ کیا تم صرف مہک سے ان پتوں کو پہچان پاؤ گے؟
دیکھو کتنی خوبصورت تصویریں بنی ہیں۔ ہاں، یہ سوکھے پتوں سے ہی بنی ہیں۔ تم بھی اب سوکھے پتوں سے الگ الگ جانوروں کی تصویریں اپنی کاپی میں بناؤ۔

ماخذ: آس پاس، ماحولیاتی مطالعہ، درجہ 3

ریگستان کے لوگوں نے اپنے تجربات کو حقیقی شکل دینے کے لیے ایک علم وضع کیا۔ اس علم نے سماج کے لیے مہیا پانی کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم ہے- پالر پانی یعنی براہ راست برسات سے حاصل ہونے والا پانی۔ یہ زمین کی سطح پر بہتا ہے اور اسے ندی، تالاب وغیرہ میں جمع کیا جاتا ہے۔ پانی کی دوسری قسم پاتال پانی کہلاتی ہے۔ یہ وہی زمین دوز پانی ہے جو کنوؤں سے نکالا جاتا ہے۔ پالر پانی اور پاتال پانی کے درمیان پانی کی تیسری قسم ہے ریجانی پانی۔ زمینی سطح سے نیچے اترا لیکن پاتال میں نہ مل پایا یہ پانی ریجانی ہے۔

ماخذ: وتان، حصہ 1، درجہ II، ہندی، این سی ای آر ٹی

یہ دونوں مثالیں ماحول کو آسان لفظیات میں پیش کرتی ہیں۔ دوسری مثال میں پالر پانی، پاتال پانی اور ریجارنی جیسے مقامی لفظیات کو آسان طریقے سے بتایا گیا ہے نہ کہ تکنیکی لفظیات کی مدد سے۔ بچے رٹے بغیر اس عمل کو آسانی سے سمجھ جائیں گے۔

چند اور مثالیں—

آج سگندھا بہت خوش ہے۔اس کے اسکول کے سبھی بچے اساتذہ کے ساتھ بھوپال گھومنے جا رہے ہیں۔ یناکشی میڈم اور راکیش سر بات کر رہے ہیں کہ کل کتنی بسیں چاہیے؟

یناکشی میڈم — ہمیں چار بسیں چاہیے۔

راکیش سر — مجھے لگتا ہے پانچ کی ضرورت پڑے گی۔

یناکشی میڈم — ہر بس میں 50 سیٹیں ہیں۔

راکیش سر — پہلے معلوم کر لیں کہ کتنے بچے جا رہے ہیں۔

جماعت	بچوں کی تعداد
I	33
II	32
III	42
VI	50
V	53
کل	210

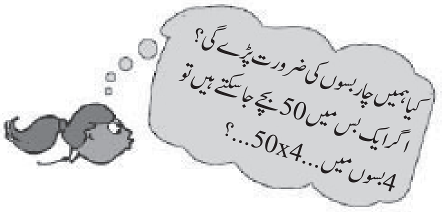

- تو کل ملا کر......................بچے جا رہے ہیں۔
- اگر انھیں چار بسیں ملتی ہیں تو کتنے بچے بیٹھ پائیں گے؟.....................
- کیا کوئی بچہ بیٹھنے سے رہ جائے گا؟

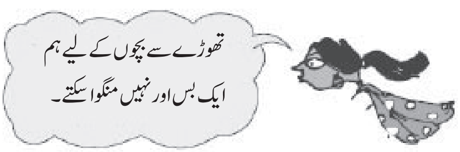

ماخذ: ریاضی کا جادو، کتاب 2، درجہ 2، این سی ای آر ٹی

Chapter 4.indd 34 20-Jun-24 10:46:05 AM

جلدی جلدی فٹافٹ

بچے کلاس میں ایک دائرے میں بیٹھے ہیں۔

یہ اس کھیل کو کھیل رہے ہیں اور گا رہے ہیں۔

کیا ہے لمبا، کیا ہے گول؟
جلدی بول، جلدی بول۔

رینا کہتی ہے—

سبھی بچے گا رہے ہیں
کیا ہے لمبا، کیا ہے گول؟
جلدی بول، جلدی بول۔

مونو کہتی ہے۔

اور اس طرح یہ کھیل جاری رہتا ہے۔

- تم بھی اس کھیل کو اپنی جماعت میں کھیلو۔ باری باری سے ایک لمبی اور ایک گول چیز کا نام بتاؤ۔ کھیل میں جس چیز کا نام ایک بار لے لیا جائے اسے دوبارہ نہیں لینا ہے۔

ماخذ: ریاضی کا جادو، کتاب 2، درجہ 2، این سی ای آر ٹی

بھیم بیٹکا کی جانب

بسوں میں ڈیزل ڈلوانے کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔اب بچوں کو بتایا گیا کہ وہ پہلے بھیم بیٹکا میں رکیں گے۔

انجن — بھیم بیٹکا کیا ہے؟

رینامیڈم — یہ ایک مقام ہے جہاں بہت سارے غار ہیں اور غاروں میں مصوری کی گئی ہے جنھیں دس ہزار برس پہلے بنایا گیا تھا۔

سومنتو — دس ہ...زا...ر برس! میں ایک ہزار برس پہلے کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتا۔

گوپی — اوہ! ایک ہزار برس تو بہت ہوتے ہیں۔ میں تو سو برس پہلے کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتا۔

گوری — میں 100 برس کے بارے میں سوچ سکتی ہوں کیوں کہ میرے والد کی دادی کی عمر 100 برس ہے۔

منجیت — اس کا مطلب یہ غار تقریباً سو پردادی جتنی پرانی ہیں!!

سبھی لوگ سے زور سے ہنس پڑے—ہا!ہا!ہا!

بچے غاروں میں کی گئی مصوی کو دیکھنا چاہتے تھے۔قریب 11 بجے وہ بھیم بیٹکا پہنچے۔

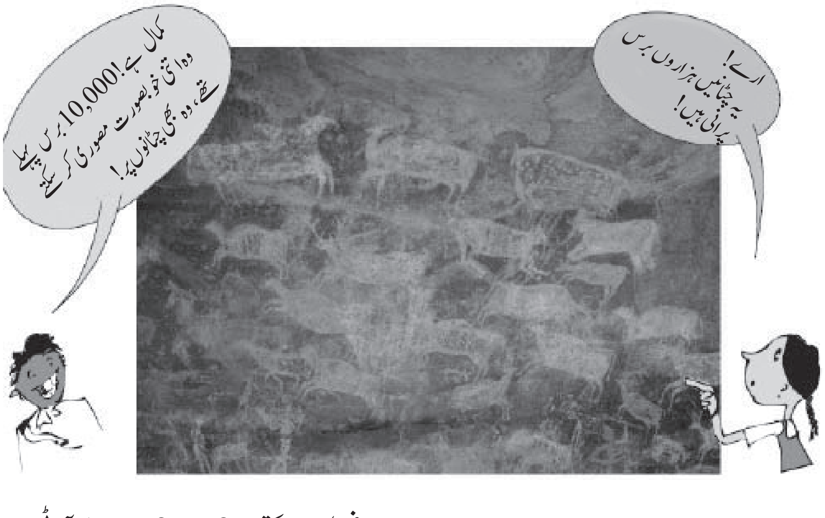

ماخذ: ریاضی کا جادو، کتاب 2، درجہ 2، این سی ای آر ٹی

شنکر — اس تصویر میں بڑے بڑے سانڈ بنے ہیں۔ ارے! مجھے ایک بات سوجھی۔ میں ان تصویروں میں سانڈوں کی گنتی کرتا ہوں اور تم ہرنوں کی گنتی کرو۔

بونومالا — میں لوگوں کو گنتی ہوں۔ دیکھتے ہیں کون زیادہ ہیں۔ سانڈ، ہرن یا لوگ۔

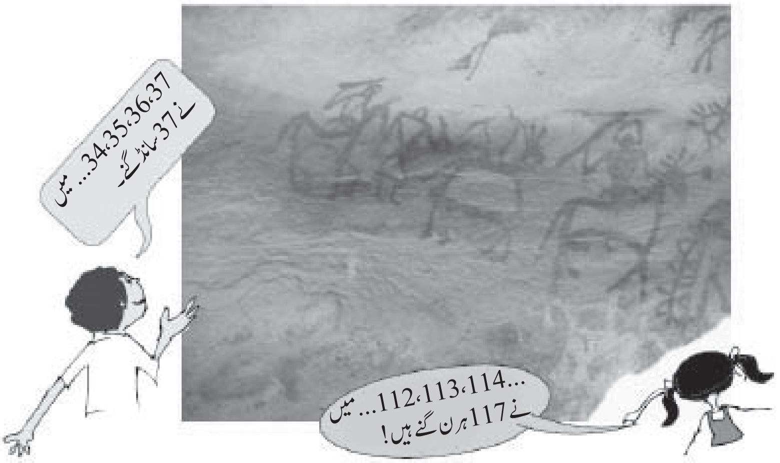

- یہاں پر سانڈ سے ہرن کتنے زیادہ ہیں؟ ....

لیکن بونومالا سب سے زیادہ خوش تھی کیوں کہ لوگوں کی تعداد سانڈ اور ہرنوں کی کل تعداد سے زیادہ تھی۔ لیکن اس کی گنتی 200 سے کم تھی۔

- اس نے کتنے لوگوں کو گنا ہوگا؟

214،154،134،177

گائڈ نے بتایا کہ یہاں کل ملا کر 600 تصویریں ہیں۔

اب بھیم بیٹکا سے چلنے کا وقت ہو گیا تھا۔

ماخذ: ریاضی کا جادو، کتاب 2، درجہ 2، این سی ای آر ٹی

(مذکورہ بالا مثالیں موضوعات کو آسان زبان کے ذریعہ پیش کرنے کی خوبصورت کوشش ہے)

Chapter 4.indd 37 20-Jun-24 10:46:05 AM

اعلیٰ تعلیم اور دیگر مضامین

اس سے جڑا دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر ابتدائی سطح پر ان زبانوں کا استعمال ہو اور انھیں ان زبانوں میں ابتدائی تعلیم دی جائے تو آگے کیا ہو؟ مان لیجیے دسویں جماعت تک وہ اس طریقے سے تعلیم حاصل کرلیں پھر آگے کی تعلیم وہ کس زبان میں حاصل کریں گے۔ انھوں نے دسویں جماعت تک سنتھالی زبان کے ذریعۂ تعلیم حاصل کی تو جب وہ گیارھویں جماعت میں داخل ہوں گے یا پھر انجینئرنگ یا میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے جائیں گے، تب ان کی تعلیم کس زبان میں دی جائے گی؟ اگر وہ صرف بی۔اے، ایم۔اے کی تعلیم حاصل کریں تو کس زبان میں؟ اگر وہ سنتھالی جیسی قبائلی زبانوں کے ذریعہ ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو کیا ہماری یونیورسٹیوں میں، ان زبانوں کے ذریعے پڑھانے کا معقول انتظام ہے؟ اگر سنتھالی ذریعۂ تعلیم سے پڑھ بھی لیں تو تیسرا سوال یہ ہوگا کہ کیا انھیں نوکری ملے گی؟ اگر نوکری نہیں ملے گی تو کیوں نہیں ملے گی؟ یہ کیسا نظام ہے جو اپنی ہی زبان کے ذریعۂ تعلیم حاصل کیے ہوئے لوگوں کو نوکری نہیں دے سکتا۔ یہاں نوکری حاصل کرنے کے لیے انگریزی کا علم لازمی ہو گیا ہے۔ حالاں کہ حال میں پوری دنیا میں جو مسلسل تنزلی اور گراوٹ کا دور آیا ہے اسے دیکھتے ہوئے ایک بار دوبارہ پوری دنیا کو احساس ہونے لگا ہے کہ محض انگریزی کا علم کافی نہیں ہے۔ ہمیں بچوں اور سماج کو یہ یقین دلانا ہوگا۔

ابتدائی تعلیم سے لے کر ملک کے معاشی انتظام تک یہ نظام پھیلا ہوا ہے۔ محض فہم کے وسیلہ کی بات نہیں، سوال یہ بھی کرنا چاہیے کہ فہم کے وسیلے کو حاصل کر لینے کے بعد زندہ رہنے کے ذریعہ کا کیا ہوگا۔ یعنی فہم تو ہمیں حاصل ہو جائے گی لیکن ہم زندہ کس طرح رہیں گے۔ جب تک ایسے معاشی نظام اور سماجی انتظام نہیں قائم ہوگا تب تک فہم کے وسیلے کے طور پر ہماری مادری زبانوں اور ملک کی ہزاروں زبانوں کا کوئی مستقبل روشن نہیں نظر آتا۔ اسی لیے مجبوری میں ہمارے گاؤں میں ہندی کا مذاق اڑایا جائے یا ہم انگریزی کا بھی مذاق اڑائیں لیکن آخر کار مجبور ہو کر ہر والدین کو اپنے بچوں کو ہندی یا انگریزی میں ہی پڑھانا پڑتا ہے۔ سب سے اچھا تو انگریزی میں پڑھانا ہے۔ وہ بے فکر ہو جاتے ہیں کہ چاہے جو ہو

> اعلیٰ تعلیم میں بھی اس سمجھ کو لے کر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن بعض امور پر غور کرنا ہوگا۔ کیا تمام زبانوں میں اتنا مواد موجود ہے؟ دنیا میں تعلیم کے بارے میں جتنی فکر کی گئی ہے کیا وہ تمام زبانوں میں موجود ہے؟
>
> — ایک شریک کار

روزی روٹی مل ہی جائے گی۔ جو معاشرہ ہم نے بنایا ہے سوال اس معاشرے کو بدلنے کا بھی ہے اور تب ہی ہم اپنی زبانوں کو فہم کا وسیلہ بنا پائیں گے۔

روس اور دنیا کے دیگر ممالک جیسے جاپان، چین وغیرہ میں شروع سے لے کر یونیورسٹی سطح تک تعلیم اپنی زبان میں ہی دی گئی۔ جرمنی نے وہی کیا۔ چین وہی کر رہا ہے۔ اپنی انگریزی پسندی کے باوجود وہاں چینی ہی تعلیم کی زبان بنی ہوئی ہے، ابتدائی سطح سے لے کر اعلیٰ سطح تک۔ لیکن ہمارے یہاں ابھی ایسا نہیں ہے۔ اس کا ایک بہت بڑا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زبانیں علم کی زبانیں نہیں بن پائی ہیں۔ آزادی سے پہلے مختلف شعبوں میں جو دانشور اور مفکر ہوا کرتے تھے وہ بعد میں کم ہوتے گئے۔ جگدیش چندر بسو نے اپنی بہت ساری کتابیں بنگلہ زبان میں لکھیں۔ بعد میں اسی سے ترغیب حاصل کر کے عظیم سائنسداں جینت نارلیکر نے مراٹھی میں لکھا اور ہندی میں بھی لکھا۔ میگھ ناتھ ساہا نے اپنی کتابیں بنگلہ میں لکھیں۔ اس

غور طلب بات یہ ہے کہ روس نے جو معاشرہ 1917 کے بعد تشکیل دیا وہ ایسا معاشرہ بن رہا تھا جس میں چھوٹی سی چھوٹی زبان کے لیے بھی جگہ تھی۔ مصنف محمود رسول حمزہ توو داغستان کے رہنے والے تھے اور اپنے خاندان کے پہلے فرد تھے جنھوں نے تعلیم حاصل کی۔ ان کی زبان اوار تھی۔ اوار زبان بولنے والے مشکل سے 2 سے 4 لاکھ لوگ تھے۔ اب شاید اس سے بھی کم ہوں گے۔ لیکن ان 2 سے 4 لاکھ لوگوں کے لیے ان کی اپنی زبان میں تعلیم کا جو انتظام وہاں مہیا کرایا گیا اسی کا نتیجہ تھا کہ رسول حمزہ توو جیسا مشہور مصنف پیدا ہوا۔ ''میرا داغستان'' ان کی مشہور کتاب ہے۔ شاید دنیا کی کسی اور زبان میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس کا دنیا کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ صرف دو لاکھ لوگوں کی زبان میں لکھی گئی اس کتاب کا شمار دنیا کی عظیم کتابوں میں کیا گیا۔ دوسری طرف افریقہ میں ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ وہاں کی زبان میں علم کی تخلیق نہیں ہوتی۔ کینیا کے مصنف انگوگی انگریزی میں لکھتے ہوئے عظیم بنے رہے لیکن جب انھوں نے اپنی زبان کیکیو میں لکھنا چاہا تو ان کا بائیکاٹ کیا گیا اور آج وہ جلاوطنی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ ہمارا ملک بھی آج ایسے ہی مسائل سے دوچار ہے۔ اپنی زبان کا اچھے سے اچھا مصنف کہیں کونے میں پڑا رہتا ہے۔ اس مسئلہ کا حل تلاش کرتے ہوئے ہمیں روس، جرمنی، چین، جاپان وغیرہ ممالک سے سبق حاصل کرنا ہوگا اور اپنی زبان کو علم و سائنس سے جوڑنا ہوگا۔

— ایک شریک کار

طرح علم کے مختلف شعبوں میں لوگ آئے اور انھوں نے اپنی زبان یعنی مراٹھی، بنگلہ، تیلگو، تمل، ملیالم کے ذریعے علم کو آگے بڑھایا۔ بعد میں یہ سلسلہ کم ہوتا گیا۔ یہ چیزیں بڑھنی چاہیے تھیں لیکن کم ہوتی گئیں اس لیے کہ ہمارا مقصد صرف اور صرف فائدہ حاصل کرنا ہو گیا ہے ایسے مفید لوگوں کو تیار کرنا جو روزی روٹی کما سکیں۔ پورا ملک ایسے افراد پیدا کر رہا تھا جو سامان فروخت کر سکیں، سامان فروخت کرنے والوں کی خدمت کر سکیں اور جو سامان فروخت کرنے کے لیے باہر سے سامان لا سکیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی زبان میں تعلیم پر زور دینا ہو گا۔ اپنی زبان کو تعلیم کی زبان بنانا ہو گا اور ان سب کے لیے مختلف زبانوں، مختلف علوم کے درمیان ربط قائم کرنا ہو گا۔ موجودہ عہد میں علم کی زبان انگریزی سے بھی کئی سطحوں پر ربط قائم کرنا ہو گا۔

میرا تجربہ

مادری زبان سے مجھے اتنی محبت ہوتے ہوئے بھی میں آج تک جیومیٹری اور الجبرا وغیرہ کی گجراتی اصطلاحات نہیں جانتا۔ اب میری سمجھ میں آتا ہے کہ اگر انگریزی کے بجائے میں نے گجراتی کے ذریعہ سیکھا ہوتا تو حساب، جیومیٹری، الجبرا، علم کیمیا اور جغرافیہ کے بارے میں جو حقائق سیکھنے میں مجھے چار برس کا عرصہ لگا، انھیں میں آسانی سے ایک برس میں سیکھ لیتا۔ ان مضامین کا علم مجھے زیادہ آسانی سے اور زیادہ واضح ہوتا۔ میرا گجراتی کا ذخیرۂ الفاظ زیادہ بھرپور ہوتا۔ اس علم کا میں اپنے گھر میں استعمال کرتا۔

× × ×

میں چاہتا ہوں کہ اس زبان (انگریزی) کے شہ پاروں کو اور اس کے ہی کیوں، دنیا کی دوسری زبانوں کے شہ پاروں کو بھی ہم اپنی ہی دیسی زبانوں کے ذریعے جتائیں۔ روبیندر ناتھ کی غیر معمولی تخلیقات کی خوبیوں کو جاننے کے لیے مجھے بنگلہ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مجھے وہ اچھے ترجمے کی مدد سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ گجراتی لڑکے اور لڑکیوں کو ٹالسٹائے کی کہانیوں سے محظوظ ہونے کے لیے روسی زبان پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ وہ انھیں اچھے ترجموں کی مدد سے پڑھ لیتے ہیں۔

× × ×

تعلیم کا ذریعہ فوراً اور کسی بھی قیمت پر بدلا جانا چاہیے اور ریاستی زبانوں کو ان کا مناسب مقام ملنا چاہیے۔

– ہریجن 38-7-9، صفحہ نمبر 177، مہاتما گاندھی کے چینت کاریہ (جلد 5)

5

زبانوں کے درمیان مکالمہ

(حوالہ: انگریزی اور ہندی)

- انگریزی اور ہندی کا رشتہ
- 1967 کے بعد
- 1987 کا دور
- تبدیلی کا نیا دور
- انگریزی کے ارتقا کی تاریخ
- نئے الفاظ تراشنے کی ضرورت

انگریزی اور ہندی کا رشتہ

تحریکِ آزادی کے دوران اور اس کے بعد ملک کی تعمیر کا جو کام انجام دیا جارہا ہے اس میں انگریزی اور دوسری زبانوں کا رشتہ کبھی سود مند تو کبھی دشوار کن رہا ہے۔ 1947 تک ان کے درمیان خاص قسم کا رشتہ قائم رہا ہے۔

تحریک آزادی کے دوران بہت سے کام ہندی کے لیے بھی وقف تھے اور آزادی کے لیے بھی۔ اس دوران اپنی زبان کے تئیں محبت تھی اور اس کے لیے انھوں نے کام بھی کیا لیکن انگریزی کے تئیں نفرت نہیں تھی۔ آزادی کے دوران ایک بات اور سامنے آئی۔ مشہور سائنس داں جگدیش چندر بسو نے اپنی زیادہ تر تصانیف بنگلہ زبان میں لکھیں۔ لکشمن شاستری نے اپنی زبان میں بھی لکھا اور انگریزی میں بھی۔ لیکن 1947 کے بعد صورت حال میں تبدیلی آئی۔ اس کے بعد انگریزی کا چلن شروع ہوا۔ بہت سے عصری مورخین نے ہندی کے ارتقا کی تاریخ بھی ہندی میں نہیں بلکہ انگریزی میں لکھی۔ عصری سماجی مفکرین میں پورن چند جوشی کو چھوڑ کر تقریباً سبھی کی تخلیقات پہلے انگریزی میں ہی سامنے آئیں۔

1967 کے بعد

1967 کے بعد ایک تبدیلی آئی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو 20 برسوں کے دوران ان زبانوں کے درمیان رشتوں میں ایک فرق رونما ہوا۔ 1967 کے دور کو انگریزی کی مخالفت یا نفرت کا دور کہا جاسکتا ہے۔ کار کے نمبر کی تختیاں اور جگہ جگہ بورڈ تبدیل کیے گئے۔ بہار اور اتر پردیش وغیرہ میں یہ مخالفت نسبتاً زیادہ کی

گئی۔ جو لوگ انگریزی کے خلاف یہ تحریک چلا رہے تھے وہ بھول گئے کہ ان کے بچے کہاں اور کیسے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس لیے اس کا جائزہ بھی لیا جانا چاہیے کہ ان دنوں انگریزی ذریعۂ تعلیم سے تعلیم حاصل کرنے والے بچوں پر کیا اثر پڑ رہا تھا۔ دوسری جانب یہ بھی غور طلب بات ہے کہ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو انگریزی پڑھے بغیر بھی آگے بڑھتے گئے۔ ان کے ساتھ کچھ غلط ہوا یا صحیح، اس پر بھی تحقیق کی جا سکتی ہے۔ اس دور کی شروعات بہت پہلے ہی ہو چکی تھی جیسے نہرو جی نے 'ڈسکوری آف انڈیا' میں بھی درج کیا تھا— سوال اٹھتا ہے کہ ''انگلستان کی دو شکلوں میں سے کون سا انگلستان ہندوستان میں آیا؟ شیکسپیئر اور ملٹن والا؛ معتدل تحریروں اور بہادری کے کارنامے انجام دینے والا؛ سیاسی انقلاب اور آزادی کی حمایت میں لڑنے والا؛ سائنس اور صنعت کی ترقی کو فروغ دینے والا انگلستان یہاں آیا، یا وحشیانہ ضابطہ فوجداری والا، سفاکانہ رویہ اختیار کرنے والا اور جاگیرداری اور رجعت پسند انگلستان آیا؟''(ہندوستان کی کہانی، صفحہ 333)۔ یہ تاجر اسپین کے ہوں یا پرتگال کے، ایک بڑا سوال تو اٹھتا ہی ہے؟ کچھ اس قسم کے حالات رونما ہوئے کہ تھوڑے سے لوگوں کا ایک الگ گروہ بنتا گیا۔ وہ اپنا کام انگریزی میں کرتے رہے تمام سہولیات مہیا ہوتی رہیں اور وہ آگے بڑھتے رہے۔ توازن قائم نہیں ہو پا رہا تھا۔ اکثریتی طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ پچھڑ گئے۔

اسکولی تعلیم میں ہندی اور انگریزی کا پس منظر کچھ الگ ہی طرح سے ابھرا۔ وہاں پہلی سے پانچویں جماعت تک انگریزی نہیں شامل تھی۔ چھٹی جماعت سے انگریزی شروع کی جاتی تھی۔ اساتذہ کا انگریزی سے متعلق قواعد اور علم قدرے بہتر تھا لیکن بول نہیں پاتے تھے۔ حالاں کہ لکھنے میں سب کی انگریزی بہت اچھی ہوتی تھی لیکن بولنے میں روانی نہیں تھی۔ اس دور نے لوگوں کو دو گروپ میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروپ انگریزی میں کام کرنے والا اور دوسرا اس کی مخالفت کرنے والا۔

1987 کا دور

1987 کے دور میں الیکٹرانک اور نئی میڈیا کی وسیع دنیا ہمارے سامنے آئی۔ یہ دور مواصلاتی انقلاب کا دور تھا۔ ایک دوسری ہی دنیا کا احساس ہونے لگا اور ایسا لگنے لگا کہ انگریزی کے بغیر بچے پچھڑ جائیں گے۔ گاؤں میں بھی انگریزی اسکول قائم ہونے لگے۔ سب لوگ یہ ماننے لگے کہ انگریزی کے بغیر وہ پیچھے چھوٹ جائیں گے۔ ابھی بھی وہی دور جاری ہے۔ غلط ہی سہی لیکن فراٹے سے انگریزی بولنے والے کا اثر بھی پڑے گا اور کام بھی ملے گا۔ آج جو سماج ہمارے سامنے ہے، جو معاشی اور سماجی ڈھانچہ کھڑا ہوا ہے

وہ انگریزی کا ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا اس موضوع پر ہم کچھ سوچ پا رہے ہیں یا پھر آگے ہی دوڑتے جا رہے ہیں۔ یہ سوچنے یا اس کا جائزہ لینے کی کسی کو فرصت ہی نہیں کہ بچے کی فہم کس زبان میں تشکیل پائے گی۔ روزی روٹی تو دوسری زبان کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے لیکن فہم تو اپنی زبان میں ہی بنتی ہے۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں کتنے سائنس داں، ماہرین معاشیات اور ماہرین سماج پیدا ہوئے۔ یقیناً اس کی وجہ ابتدائی دور میں اپنی زبان میں تعلیم مہیا نہ ہونا ہے۔

تبدیلی کا نیا دور

ادھر زبان کے پس منظر میں دوبارہ تبدیلی کا دور آرہا ہے۔ فرانس، چین، روس، جاپان نے زبان کے تعلق سے نئے انداز سے سوچنا شروع کر دیا ہے۔ اب وہ اپنی زبان میں ہی بات کرنا پسند کرتے ہیں۔ ہندوستان میں صورت حال مختلف ہے۔ ہم ابھی تک احساس کمتری کا شکار ہیں۔ اپنی زبان کے تئیں معاشرے کا اندازِ فکر مثبت نہیں ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ خودداری گنوا کر بھی ہم اپنے بچوں کو انگریزی پڑھانا چاہتے ہیں۔

انگریزی-ہندی کے تعلق پر ہمیں اس نظریے سے بھی غور کرنا ہوگا کہ دنیا کے کئی بڑے ممالک نے اپنی زبان کو زندہ رکھتے ہوئے اور اس کے تئیں عقیدت رکھتے ہوئے بڑے ممالک کی برابری کی ہے اور ترقی کی دوڑ میں آگے نکلے ہیں۔ ہمیں اپنے یہاں لوگوں کو یہ یقین دلانا ہوگا کہ اپنی زبان کی عزت کرتے ہوئے دوسروں کی زبان کا بھی احترام کیا جاسکتا ہے۔

اپنی زبان کی عزت کرتے ہوئے کینیا کے مشہور مصنف انگوگی نے انگریزی زبان میں لکھنا چھوڑ کر کیکیو جوان کی اپنی زبان ہے، میں لکھنا شروع کیا۔ پابلو نیرودا کی خواہش تھی کہ اپنی زبان میں تعلیم کے لیے یونیورسٹی قائم ہو، لیکن دوسری زبان بھی اسی کے ساتھ شامل ہو۔

انگریزی کے ارتقا کی تاریخ

ہمیں اس جانب بھی توجہ دینی چاہیے کہ انگریزی زبان بھی ایک طویل عرصے کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچی ہے۔ پہلے انگریزی انگلینڈ اور امریکہ میں قلیوں، کسانوں اور مزدوروں کی بھی زبان ہوا کرتی تھی۔ شیکسپیئر بھی اسی زبان سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی انگریزی صرف اقتدار کی ہی زبان نہیں ہے۔

اگر اس زبان کی ارتقا پر غور کریں تو پائیں گے کہ جو لڑائی ہماری زبان لڑ رہی ہے وہ انگریزی نے بھی لڑی ہے۔ سولھویں اور سترھویں صدی تک انگریزی علم کی زبان نہیں تھی۔ مناسب درجہ حاصل کرنے

کے لیے اس نے بھی جدوجہد کی ہے۔ حالات یہ تھے کہ طبقہ اشرافیہ کے بعض اسکولوں کے احاطے میں کوئی انگریزی نہیں بول سکتا تھا۔ فرانسس بیکن نے دوستی یا محبت جیسے موضوعات پر مضامین انگریزی زبان میں ہی لکھے لیکن انصاف، فلسفہ، ریاضی کی کتابیں، علم کی باتیں لیٹن زبان میں لکھیں۔ انگلینڈ کے سائنس داں لیٹن میں ہی لکھتے تھے۔ نیوٹن کی مادری زبان انگریزی تھی لیکن اس نے بھی اپنی مشہور تصانیف لیٹن میں ہی تحریر کیں۔ انھوں نے بھی اس وقت لیٹن زبان کا ہی استعمال کیا۔ جب سائنس داں پسماندہ طبقات سے آنے لگے تب انگریزی میں لکھا جانے لگا اور انیسویں صدی تک انگریزی زبان چھا گئی۔ تعلیم میں انگریزی کا دخل بڑھتا گیا۔ آج علم کی سب سے بڑی زبان انگریزی ہی ہے۔

نئے الفاظ تراشنے کی ضرورت

ایک طرف دنیا کی تمام زبانیں ایک ہو رہی ہیں تو دوسری جانب ماہرین لسانیات کی تشویش یہ بھی ہے کہ حدیں ٹوٹ رہی ہیں۔ بازار میں روسی، انگریزی، جرمن وغیرہ زبانوں نے سب کو ایک جیسا کر دیا ہے۔ دراصل زبانیں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہوئے بنتی ہیں۔ ہندی نے بھی تمام الفاظ انگریزی اور دیگر زبانوں سے ویسے ہی لے لیے ہیں جیسے اصل زبان میں تھے۔ لیکن ہر زبان کا اپنا مخصوص کردار ہوتا ہے، ایک رویہ ہوتا ہے اور اپنا مزاج ہوتا ہے۔ وہ زبان دوسری زبانوں کا مقابلہ کر کے اپنے طریقے سے نئے الفاظ تراشتی ہے۔ جیسے ہندی نے 'آفیسر' سے 'افسر' بنایا، 'رپورٹ' سے 'رپٹ'، 'سیمنٹ' سے 'سلمٹ' تراشا۔ لیکن آج ہندی میں انگریزی سے مقابلہ کرتے ہوئے نئے الفاظ تراشنے کی خود اعتمادی لگاتار کم ہوتی جا رہی ہے۔ بیشتر انگریزی کے الفاظ کو ان کے اصل تلفظ کے ساتھ قبول کرنے کا دباؤ لگاتار بڑھ رہا ہے۔ جیسے ہندی میں 'کینے ڈا' کو 'کناڈا' کہنا، 'اولمپکس' کو 'اولمپک' کہنا یا 'چائنا' کو 'چین'، 'رشیا' کو 'روس' لکھنے کا رواج کم ہو رہا ہے۔ ہم ان لفظوں کو ان کے اصل تلفظ کو

> زبان محض لفظ اور معنوں سے نہیں بنتی بلکہ الفاظ کی شبیہوں سے بھی بنتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہم کمل لفظ کی مثال لیں تو ہمارے ذہن میں کمل کے پھول کی شبیہ ابھرتی ہے۔ جو کمل لفظ سے الگ قسم کی ہوتی ہے۔ یعنی ہم سب نے کمل کو جس شکل میں دیکھا ہے ہمارے لیے وہی کمل ہے۔ آج کی بھاگ دوڑ میں ان معنوی شکلوں کے لیے وقت نہیں رہ گیا ہے۔
>
> — ایک شریک کار

ساتھ استعمال کرنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ یہ عادت اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ حالیہ برسوں میں ہندی احساس کمتری کا شکار ہوئی ہے۔ اس کا سابقہ معاشرے کی قوت سے زیادہ ہے اور زبان کی قوت سے کم ہے۔ ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نے زبان پر بہت کام کیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ لفظ مانجھنے سے آتا ہے۔ لفظوں کو مانجھا جانا چاہیے۔ لفظوں کو مانجھ کر نئے الفاظ بنانے کا جو ہنر ہندی یا دوسری زبانوں میں تھا وہ رفتہ رفتہ ان دنوں انگریزی کے سامنے گھٹنے ٹیک رہا ہے۔ یہ ایک بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ انگریزی نے بھی ہندی سے بہت سارے الفاظ لیے ہیں اور اسے لے کر اپنے انداز میں تراشنے کی کوشش کی ہے یعنی ہندی اور انگریزی کے درمیان لین دین بڑھا ہے۔ ہندی یا کسی بھی زبان میں ہر زبان کے الفاظ کو تازہ ہوا کی مانند بے روک ٹوک آنے دینا چاہیے۔ لیکن ہمیں اس طرف دھیان دینا ہوگا کہ ہندی نے لگاتار اپنے دروازے بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی تہذیبی یا تاریخی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ جن زبانوں نے اپنے دروازے کھلے رکھے ہیں وہی پھلتی پھولتی بھی رہی ہیں۔ آواز، خیال، لفظ اور جملے کی ساخت کی سطح پر زبانوں کا مسلسل میل جول ہوتا رہا ہے۔

زبان ہمارے سروکار سے بنتی ہے۔ دیس پردیس میں جہاں کہیں بھی لوگ مارے جا رہے ہیں اگر ان سے ہمارا سروکار نہیں ہے تو ہمارے اظہارات بے اثر ہو سکتے ہیں۔

زبان کا مسئلہ ایک بڑی سماجی لڑائی کا بھی مسئلہ ہے۔ اس لڑائی میں زبان ایک ضروری اوزار ہے۔ لیکن ہمیں اس بڑی لڑائی میں زبان کی بنیادی خصوصیت کی شناخت کو انگریزی کے ساتھ ڈائیلاگ کرتے ہوئے نئے الفاظ تراشنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ انگریزی کے مصنفین نے یہ کام انجام دیا ہے۔

مکالمے کی کوشش

سیکمول لداخی زبان کی معیار بندی کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے لیے وہ لداخی رسم الخط میں ایک اخبار ریوائی اوزر (Rewai odzer) اور ایک رسالہ میلانگ (Melong) نکالتے ہیں۔ ساتھ ہی اس نے بچوں کی کہانیوں کو انگریزی اور لداخی دونوں زبانوں میں لوگوں کے سامنے لانے کی اہم کاوش کو انجام دیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ابتدائی سطح کی ماحولیاتی تعلیم کی نصابی کتب اور زبان کی ترویج و ترقی سے بھی وابستہ ہے۔ اگرچہ یہ نصابی کتب انگریزی زبان میں ہیں لیکن لداخی زبان کے خمیر کے ساتھ ان کا منصوبہ ہے کہ اساتذہ کے لیے ان کا لداخی ایڈیشن بھی جاری کیا جائے۔ اس طرح جب رفتہ رفتہ مقامی لداخی زبان میں چیزیں چھپ کر آنے لگیں گی تب لداخی زبان میں نصابی کتب کا چھپنا ممکن ہو سکے گا۔

—— ہندوستانی زبانوں کی تدریس، پوزیشن پیپر 3۔1 صفحہ 61-60

ایک ممکنہ صورت ضلعی سطح کی زبانوں کے الفاظ کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ ہندی ضلعی زبان سے جس قدر کٹتی گئی اتنا ہی اکہری ہوتی چلی گئی۔ مثلاً رنگ، ذائقے، رشتہ، زراعت اور کاروبار سے متعلق الفاظ جتنے ضلعی سطح کے تجربات سے جُڑے ہیں اتنے شہری تجربات سے نہیں ہیں۔ جیسے درد سے متعلق ایسے بہت سارے الفاظ بھوجپوری میں ہیں جو ہندی میں نہیں ہیں۔ دُکھاتا، بتھتا، پڑاتا، ٹبھکتا، کسکتا، ٹسکتا وغیرہ۔ تمام الفاظ کے الگ الگ معنی و مفہوم ہیں۔ زبان کی تہذیب کے طور پر ہندی کو کھڑا کرنا ہے۔ الفاظ سے مقابلہ آرائی کرتے ہوئے اس کی طاقت لوٹانی ہے۔ اس لیے انگریزی الفاظ کے مقابلے نئے الفاظ تلاش کرنے کا بہتر طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ اس طرح زبانوں کے درمیان لفظوں کا لین دین اور ڈائیلاگ کا راستہ کھولنا ہوگا۔

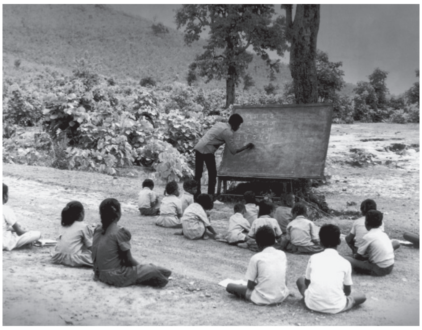

6

مدّے اور چیلنج

- استاد کی تیاری
- سماجی تیاری
- انتظامی تیاری

فہم کے وسیلے کو عملی شکل دینے کے لیے ایک لمبا سفر طے کرنا ہے۔ آزادی کے 60 برسوں کے بعد بھی ہم یہ طے نہیں کر پائے ہیں۔ یہ راستہ اکیلے ایک استاد، تعلیمی نظام یا ماہرِ تعلیم نہیں طے کر سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سارے ایسے مسائل اور چیلنج ہیں جس میں معاشرہ، استاد اور انتظامیہ کا کردار اہمیت کا حامل ہوگا۔ اس کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔

استاد کی تیاری

ایک عرصے کے بعد زبان کی طرف لوٹنے کی یہ شروعات ہے۔ جس میں سب سے پہلے اور اہم کردار استاد کا ہے جو والدین کے بعد بچوں کے ساتھ سب سے زیادہ وقت گزارتا ہے۔ چھوٹے بچوں کو اسکول اور تعلیم سے جوڑنے کا فریضہ استاد کے کاندھوں پر ہی ہے۔ اسکول کی زبان اور گھر کی زبان میں ربط پیدا کرنے کا کام بھی استاد ہی کرتا ہے۔ اس فاصلے کو تب ہی طے کیا جا سکتا ہے جب بچے کی زبان میں تعلیم دی جائے۔ اس کے لیے اساتذہ کا تربیت یافتہ ہونا بے حد ضروری ہے۔ قومی درسیات کا خاکہ-2005 میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ قبائلی علاقوں میں جن اساتذہ کی تقرّری کی جائے انھیں وہاں کی مقامی زبان سکھائی جانی چاہیے۔ استاد کو وہاں کی مقامی زبان میں تعلیم دینے کے لیے خود مختاری دینی پڑے گی۔ جماعت میں کئی زبانیں بولنے والے بچوں کی شناخت کے بعد انھیں وسیلہ کے طور پر استعمال کرنے کی خود مختاری بھی اس سے جڑی ہے۔

- ہمارے ملک میں بہت ساری بولیاں اور زبانیں ہیں۔ بچوں کی زبان میں ہمارے یہاں ابھی تک درسی کتب دستیاب نہیں ہیں۔ آئین میں 22 زبانیں درج ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان 22 زبانوں میں ہمارے یہاں کتابیں دست یاب نہیں ہیں۔ اس کی ذمہ داری استاد اور حکومت دونوں پر ہے۔ اگر حکومت اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے تو استاد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچے کو اس

Chapter 6.indd 48 20-Jun-24 10:45:29 AM

کی مادری زبان میں تعلیم دے۔ قومی درسیات کا خاکہ -2005 استاد کی اس خود اختیاری کی سفارش کرتا ہے۔

- استاد کو جماعت میں بچوں کو پڑھاتے وقت تجربے کی بنیاد پر درسی مواد تیار کرنے کی پہل کرنی ہوگی۔ جماعت کی ضرورت کے مطابق بچوں کی نشوونما کے لیے یہ مواد ایک بہتر درسی مواد ہو سکتا ہے۔
- اس سماجی ماحول یا پس منظر میں آموزش بے حد متاثر ہوتی ہے جہاں طالب علم اور استاد ایک ہی سماج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسکول اور کلاس روم کا سماجی ماحول سیکھنے کے پورے تعلیمی عمل پر اثر ڈالتا ہے۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے طالب علم کی نفسیاتی خصوصیات کی جگہ اس کے سماجی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی سیاق کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس میں فہم کی زبان کے کردار کی شناخت کرانی ہوگی۔
- استاد کو زبان کے بارے میں اچھی خاصی سمجھ ہونی چاہیے۔
- پرائمری سطح پر بچوں کی زبان (زبانوں) کی اصلاح کیے بغیر اسی شکل میں قبول کر لینا چاہیے جس شکل میں وہ موجود ہوتی ہیں۔ چوتھی جماعت کے بعد اگر دل چسپ مواقع فراہم کیے جائیں تو بچے خود زبان کی معیاری سطح حاصل کر لیتے ہیں، لیکن اس عمل کے دوران بچے کا گھر کی زبان کے تئیں عزت کا جذبہ قائم رہنا چاہیے۔ یہ قبول کریں کہ غلطیاں، آموزش کا حصہ ہوتی ہیں اور بچے جب اس لائق ہو جائیں تو وہ خود اس کی اصلاح کر لیتے ہیں۔ غلطیوں اور خامیوں پر دھیان دینے کے بجائے زیادہ وقت بچوں کو دل چسپ اور چیلنج سے پُر مواقع فراہم کرنے کے لیے دیا جانا چاہیے۔
- کس طرح سیکھتے ہیں اس کے متعلق اساتذہ میں سمجھ بنائی جائے تاکہ وہ اس کے لیے موافق ماحول تیار کریں۔
- محروم طبقے کے بچوں اور مختلف قسم کی معذوری کا شکار بچوں کی ضرورتوں سمیت تمام بچوں کی سیکھنے کی ضرورتوں کو سمجھ سکے۔
- دوسری زبان کی تدریس کے طریقے کی جانب بھی استاد کی خاص توجہ رہنا چاہیے۔

> مادری زبان میں تعلیم سے کلاس روم کی تدریس کو متمول بنانے میں آسانی ہوگی۔ آموزگاروں کی زیادہ سے زیادہ شمولیت ہوگی اور بہتر نتائج حاصل ہوں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مناسب سہولیات مہیا کرائی جائیں۔ مادری زبان میں تعلیم کے تئیں مثبت انداز فکر کو یقینی بنایا جائے تاکہ آموزگار وہ ذریعہ اختیار کرنے میں تکلف نہ برتے جس میں وہ آسانی سے سمجھ سکے۔
>
> —ہندوستانی زبانوں کی تدریس، نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر 3-1 صفحہ 15

- پڑھانے کی ایسی ٹھوس تیاری ہونی چاہیے جو عملی ہو اور اصولی بھی۔
- کثیر لسانیت کو وسیلے کے طور پر کس طرح استعمال کریں اس کی تربیت دی جانی چاہیے۔
- ساتھ ہی یہ بھی بتایا جانا چاہیے کہ کثیر لسانیت کی حدود کیا ہیں؟
- استاد کو مسلسل بچوں کے سرپرستوں سے بات چیت کرنی چاہیے۔
- قبل ملازمت اور دوران ملازمت تربیتی امور میں ایسے موضوعات (فہم کی زبان، کثیر لسانیت، زبانوں کے درمیان مکالمہ اور زبانوں کی صورت حال) کو شامل کیا جانا چاہیے۔
- اسکولوں میں بچوں کے بولنے اور سننے پر زور دیا جانا چاہیے، محض تحریر پر ہی زور نہ ہو۔

سماجی تیاری

- آج ہر طبقہ اپنے بچوں کو انگریزی ذریعۂ تعلیم سے پڑھانا چاہتا ہے۔ انھیں سمجھنا ہوگا کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم سے پڑھ کر ان کا بچہ مادری زبان میں تعلیم یافتہ بچے کے مقابلے کم تخلیقی ہوگا۔ وہ اسکول کی تعلیم کو اپنی زندگی سے جوڑ کر اور طبقے کی حقیقتوں سے تال میل قائم کر پانے کے قابل نہیں ہوگا۔ انگریزی ذریعۂ تعلیم کا تعلیمی نظام ان کے لیے رٹنے کی تعلیم بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ طبقے کے نمائندوں کی ذمہ داری (جیسے گاؤں کی پنچایت) ہونی چاہیے۔ انھیں سمجھنا ہوگا کہ بچے کی مادری زبان میں تعلیم اسے تخلیقی ہونے کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی سے پُر اور مضبوط بناتی ہے۔ آج ہمارے سامنے یہ بڑا چیلنج ہے کہ ہر طبقے (سرپرست) کی یہ سمجھ کس طرح بنائی جائے۔
- معاشرے کے سامنے ذریعۂ تعلیم کو لے کر خاص طور پر دو مسائل ہیں۔ ایک روزی روٹی کا مسئلہ اور دوسرا معاشرے میں عزت اور وقار کا۔ ان دونوں مسئلوں سے نمٹنے کے لیے ایک بڑی سماجی تیاری کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے جس میں میڈیا کا اہم کردار ہو سکتا ہے۔ سماج کے مختلف طبقوں اور سرپرستوں سے مل کر انھیں یہ یقین دلانا ہوگا کہ محض انگریزی ہی ذریعۂ تعلیم نہیں ہے۔
- اس کے لیے مختلف علاقوں کی مادری زبانوں کے ذریعۂ تعلیم حاصل کرکے بلند مقام پر پہنچے اور کامیابی حاصل کرنے والی اہم شخصیات کے انٹرویو اور تجربات کو میڈیا (پرنٹ الیکٹرانک، نکڑ ناٹک وغیرہ) کی مدد سے ان تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔
- اپنی زبان میں پڑھ کر قابلیت حاصل کرنے والے نوجوانوں سے گفت وشنید اور تجربات کو میڈیا کے ذریعہ سرپرستوں تک پہنچایا جائے تاکہ اس غلط فہمی (انگریزی ہی کامیابی کی کلید ہے) کو دور کیا جاسکے۔

اپنی زبان میں پڑھ کر...

راجستھان ریاستی سول سروسز کے لیے امتحان میں ہندی میڈیم سے پہلی کوشش میں ہی اولیت (2007) کی فہرست میں تیسرا مقام حاصل کرنے والوں میں جتیندر کمار سونی نے ایک اہم اور قابل فخر کامیابی حاصل کی ہے۔

''سوال—آپ کے مطابق اس امتحان میں ہندی میڈیم سے تیاری اور کامیابی حاصل کرنے کے کیا خیالات ہیں؟
سونی—ذریعۂ تعلیم سے میری نظر میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ جس میڈیم میں ہم اپنے خیالات اور سمجھ کو مؤثر طریقے سے ظاہر کر سکیں۔ وہی میڈیم ہمارے لیے فائدہ مند بھی ہے اور بہتر بھی۔ یہ نتیجہ ہندی کے تئیں قائم تصورات کی نفی کرتا نظر آتا ہے۔''

—پریتی یوگتا درپن، جنوری 2011، صفحہ 48-46

- بعض ایسے اسکولوں کی مثالیں سامنے رکھی جائیں جنھوں نے مادری زبان میں تعلیم دے کر اہم لوگوں کو تیار کیا ہے۔ جیسے نیتر ہاٹ، سردار پٹیل ودیالیہ۔ ان میں سرکاری اسکولوں کو خاص طور پر شامل کیا جائے۔
- اس سماجی تیاری میں استاد کا کردار بھی اہم ہے۔ استاد طلبا کے سرپرستوں کے ساتھ ایسی میٹنگوں کا اہتمام کریں جہاں وہ مادری زبان کی اہمیت کو کیس اسٹڈی وغیرہ کے ذریعہ بتائیں۔
- روزگار سے متعلق مسئلہ سے مقابلہ کرنے کے لیے صنعتی کاموں میں اپنی زبان کی اہمیت پر مختلف روزگاروں یا علاقوں میں مادری زبان کی تعلیم کے استعمال (جیسے ڈاکٹر، آئی اے ایس وغیرہ) کو دھیان میں رکھ کر کہانی تخلیق کرتے ہوئے نکڑ ناٹک وغیرہ تحریر کیے جائیں اور جگہ جگہ (گاؤں اور شہر کے اسکولوں میں) کھیلے جائیں۔ اس میں بعض غیر سرکاری تنظیموں (N.G.Os) کی مدد لی جاسکتی ہے۔
- اسکول کا استاد اپنی ذمہ داری کو نبھا پانے میں نااہل ہوتا جارہا ہے، بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم نہیں مل پارہی ہیں۔ ایسے حالات میں وہاں کے اسکولی انتظامیہ یعنی اسکول کے پرنسپل کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دینے کے لیے اساتذہ کو ترغیب دے۔ اس کے لیے وہاں کے مقامی سماج کی مدد بھی لے سکتا ہے۔ بچوں کے علم کی تشکیل کے لیے پرنسپل بچے، استاد اور سماج کے درمیان ایک پل کا کام کرے۔ اس کام کے لیے اپنی انتظامی پالیسیوں کو لچیلا بنائے۔

روزگار کا چیلنج۔1

آج بازار کی زبان انگریزی ہے۔ صرف زبان کے علم کی بنیاد پر انگریزی جاننے والے امیدوار کو جلد نوکری مل جاتی ہے۔ جب کہ دیسی زبان جاننے والا باہنر امیدوار روزگار کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ آخر کیوں؟ آج یہاں باہری کثیر ملکی کمپنیوں وغیرہ میں فہم کا وسیلہ انگریزی ہے۔ روزگار کے لیے فہم کے وسیلے کی سمت میں حکومت کو غور کرنا ہوگا اور اپنی بعض پالیسیوں میں تبدیلی لانی ہوگی۔ اگرچہ پوری دنیا میں مندی کا دور آیا ہے اس سے لوگوں کے درمیان یہ سمجھ قائم ہونے لگی ہے کہ محض انگریزی پڑھ کر روزگار نہیں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ انھیں روزگار کی امید دیسی زبانوں میں نظر آنے لگی ہے۔ اسے یقین میں بدلنے کا چیلنج حکومت کے سامنے ہے۔

— ایک شریک کار

انتظامی تیاری

- صحیح معنوں میں گاؤں گاؤں اور بچے بچے تک تعلیم پہنچانے کے لیے ریاستی سطح پر ہمیں پختہ تیاری کرنی پڑے گی۔ تعلیم ریاست اور مرکز کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ مادری زبان میں تعلیم دینے کے لیے صوبے کو ہر سطح پر یعنی سماج کے مختلف طبقے، اسکول انتظامیہ، استاد وغیرہ سب کے درمیان تال میل کر کے پختہ تیاری کرنی پڑے گی۔
- اس تیاری میں مرکز کا اہم کردار ہوگا۔ مرکز کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ریاستوں کے ساتھ تال میل کرے۔ اس کے لیے استاد، طبقے، سرپرست وغیرہ سب کے ساتھ سیمینار، بحث و مباحثہ، ڈائیلاگ وغیرہ کا انعقاد کرنا ہوگا۔ اس کے بعد مرکز کو اس تیاری کو عمل پیرا کرنے کے لیے صوبوں کے ساتھ مل کر استاد اور تربیت کار تیار کرنے ہوں گے تاکہ بچے کو اپنی زبان میں بولنے، لکھنے، پڑھنے اور بات چیت کرنے کا موقع ملے۔
- اب حقِ تعلیم کا قانون نافذ ہوگیا ہے۔ اس کے تحت اسکول کمیٹیوں کو بعض اختیارات دینے ہوں گے۔ اسکول انتظامی کمیٹیوں میں طبقے کی حصہ داری یقینی بنائی جائے۔ قومی درسیات کا خاکہ-2005 بھی کہتا ہے کہ ایسا کرنے سے اسکولی نظام مزید لچیلا ہو سکے گا۔ وہ مقامی طور پر درسی مواد تیار کرنے میں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس پر بھی غور کیا جانا چاہیے۔ یہ ایک بہتر طریقہ ہو سکتا ہے۔

- حق تعلیم کا قانون نافذ ہوجانے پر لاکھوں کی تعداد میں اساتذہ کی تقرری کرنے کی بھی ضرورت ہوگی۔ اتنی بڑی تعداد میں اساتذہ کے لیے تربیتی ادارے قائم کرنے پڑیں گے۔ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔
- بچوں کی زبان میں کتابوں کی دستیابی پر کوئی منصوبہ تیار کرنا پڑے گا۔
- اس ضمن میں ریاستی حکومت اور اساتذہ کی ایک بڑی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے بچوں کے لیے ان کی مادری زبان میں کتابوں کی تیاری میں زیادہ وقت لگے۔ اس اثنا میں ریاستی حکومتوں اور اساتذہ کو اس معاملے پر ڈائیلاگ قائم کرنا ہوگا۔ اس پر مرکزی حکومت کو اعتراض بھی نہیں ہے۔ بنیادی طور پر یہ سیاسی اور انتظامی سطح کا فیصلہ ہے۔

> **اعلیٰ تعلیم: ایک چیلنج**
>
> جب بچہ اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرکے اعلیٰ علیم کے لیے یونیورسٹی میں داخل ہوتا ہے تب سوال اٹھتا ہے کہ اس کی مادری زبان میں تعلیم دینے کے لیے یونیورسٹی کے پاس سہولیات موجود ہیں؟ اگر اس کے لیے سہولیات فراہم نہیں ہیں تو کیا بچے کو اپنی مادری زبان میں امتحان دینے کا اختیار ہے؟ اگر ہے تو کیا اس کی کاپی کی جانچ انگریزی ذریعہ تعلیم کے طلبا کے مساوی کی جاتی ہے؟ کیا وہ پی ایچ ڈی کے لیے تحقیقی مقالے کو مادری زبان میں لکھ سکتا ہے؟ اعلیٰ تعلیم میں فہم کے وسیلے کا مسئلہ ہمارے لیے، یونیورسٹیوں کے لیے اور ملک کے لیے بھی سب سے بڑا چیلنج ہے۔
>
> —ایک شریک کار

- ہمارے یہاں بہت ساری زبانیں موجود ہیں۔ اس لیے بچے کے لیے تیار کیے جانے والے تدریسی مواد میں ہمیں ان زبانوں کی لوک کہانیوں، لوک گیتوں اور لوک فنون وغیرہ کو بھی شامل کرنا ہوگا۔ ہر زبان کے بڑے مصنفین ہمارے ملک میں موجود ہیں ان کی مدد سے بھی تدریسی مواد تیار کیا جاسکتا ہے۔
- فہم کی زبان کے مدنظر اساتذہ کے موجودہ تربیتی پروگراموں کے نصاب میں تبدیلی لانی ہوگی۔
- زبان سے متعلق تحقیقات میں اپنی زبان اور ہندی میں بہتر تحقیق کی جانے کی ضرورت پڑے گی۔
- ہندی اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں بنیادی طور پر سائنس، سماجی علوم اور علم و فن وغیرہ کی کتابیں لکھنے پر زور دیا جائے۔ اس کے لیے یونیورسٹیوں سے بھی رابطہ قائم کیا جانا چاہیے۔

- حوالہ جاتی کتابوں/نصابی کتابوں کے انگریزی سے ہندی اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں تراجم کرائے جائیں اور ذولسانی اور کثیر لسانی نصاب بھی تیار کرایا جائے۔
- پہلی سے پانچویں جماعت تک کے درجات میں بتدریج بعض مضامین بچوں کی زبان میں پڑھنے پڑھانے پر زور دیا جائے۔ اس کے لیے ان کی سمجھ کو پختہ بنیاد فراہم کرنے کے لیے بعض نجی اسکولوں سے بھی بات چیت کی جانی چاہیے۔
- یونیورسٹی انتظامیہ سے مل کر زبان، سماجی علوم، سائنس وغیرہ کی تدریس سے متعلق نصاب رائج کرنے کی بات پر غور کیا جانا چاہیے۔ اس نصاب میں اپنی زبان میں مضامین کی سمجھ کی اہمیت پر خاص زور دیا جانا چاہیے۔

روزگار کا چیلنج۔2

دہلی کے شمال مغربی ضلع میں ایشیا کی سب سے بڑی سبزی منڈی آزاد پور کے ٹھیک سامنے سڑک پار ایک بڑی نو آباد کار بستی ہے — جہانگیر پوری۔ بادشاہ جہانگیر کی بادشاہت کا مزاج یہاں کے تقریباً ہر باشندے کے رویے سے جھلکتا ہے۔ بستی کے ایک کنارے پر سوکھنے کے کگار پر پہنچ چکی بھلسوا جھیل ہے تو دوسری طرف ایک نہیں کئی کئی جھیلیں ہیں جن میں جان پھونکتے ہیں اس بستی کے لوگ۔ اسی بستی میں آئی ٹی آئی (ITI) بھی ہے جس میں نل سازی، سوت کتائی، رنگ سازی، فٹر، طباعت جیسے کئی پیشہ وارانہ مہارتوں کی تربیت دی جاتی ہے۔ بات اس بستی کے کنارے قائم اجودھیا ٹیکسٹائل اور آئی ٹی آئی کے عجیب و غریب رشتے کی ہے۔

اس کارخانے میں کپڑا بنانے اور اس پر چھپائی کا کام ہوتا تھا۔ اسی کام کی تربیت سے متعلق کام انجام دیا جاتا تھا۔ اسی کام کی تربیت سے متعلق نصاب آئی ٹی آئی میں موجود تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہاں سے تربیت حاصل کرنے والے نوجوانوں کو اس کارخانے میں کام نہیں دیا جاتا اور غیر تربیت یافتہ لوگوں کو جگہ دے دی جاتی تھی۔ سب کے دل میں ایک ہی خیال آیا کہ شاید تربیت یافتہ کاری گروں کو زیادہ تنخواہ دینا پڑے گی۔ اس لیے انھیں کام پر نہیں رکھا جاتا لیکن آئی ٹی آئی کے اساتذہ اور تربیت حاصل کرنے والوں کے ساتھ جب کارخانے کے کاری گروں کی بات چیت ہوئی تو حقیقت ظاہر ہوئی۔ ادارے میں پورے طریقۂ کار کی معلومات انگریزی یا معیاری ہندی میں فراہم کی

جاتی ہے۔ کارخانے کے پرانے کاری گر دیسی لفظیات کا استعمال کرتے تھے جسے ادارے سے تربیت یافتہ نوجوان سمجھ نہیں پاتے تھے۔ لہٰذا کاری گروں کی دیسی لفظیات کو نصاب سے جوڑا گیا۔ محض ایک نصاب نہیں بلکہ مزید نصابوں میں یہ کوششیں کی گئیں اور لوگوں کو مقامی کارخانوں میں کام ملنا اب مشکل نہیں رہا۔

—ایک شریک کار

ضمیمہ-1

ریاستوں میں مختلف سطحوں پر ذریعۂ تعلیم کی زبانیں

نمبر شمار	ریاست	ابتدائی	ثانوی	اعلیٰ ثانوی
1	آندھرا پردیش	تیلگو، اردو، اڑیہ، انگریزی، ہندی، مراٹھی، کنڑ، تمل	تیلگو، اردو، اڑیہ، انگریزی، ہندی، مراٹھی، کنڑ، تمل	تیلگو، اردو، اڑیہ، انگریزی، ہندی، مراٹھی، کنڑ، تمل
2	اروناچل پردیش	انگریزی، ہندی	انگریزی	انگریزی
3	آسام	آسامیہ، بنگلہ، بوڈو، انگریزی	آسامیہ، بنگلہ، بوڈو، انگریزی، ہندی، دیگر زبانیں	آسامیہ، بنگلہ، بوڈو، انگریزی، ہندی، دیگر زبانیں
4	بہار	ہندی، اردو، سنسکرت، انگریزی	انگریزی، ہندی، سنسکرت، اردو	انگریزی، ہندی، سنسکرت، اردو، دیگر زبانیں
5	چھتیس گڑھ	ہندی، دیگر زبان	ہندی، دیگر زبان	ہندی، دیگر زبان
6	گجرات	گجراتی	انگریزی، گجراتی، ہندی	انگریزی، گجراتی، ہندی
7	گوا	انگریزی، کونکنی، مراٹھی، اردو، کنڑ	انگریزی، مراٹھی	انگریزی، مراٹھی
8	ہماچل پردیش	انگریزی، ہندی	انگریزی، ہندی	انگریزی، ہندی
9	ہریانا	انگریزی، ہندی	انگریزی، ہندی، سنسکرت	انگریزی، ہندی، سنسکرت
10	جموں و کشمیر	ڈوگری، انگریزی، ہندی، کشمیری، اردو	ڈوگری، انگریزی، ہندی، کشمیری، اردو	ڈوگری، انگریزی، ہندی، کشمیری، اردو
11	جھارکھنڈ	انگریزی، ہندی، سنسکرت	بنگلہ، انگریزی، ہندی، سنسکرت	بنگلہ، انگریزی، ہندی، سنسکرت
12	کرناٹک	کنڑ، انگریزی، ہندی، مراٹھی، تمل، تیلگو، اردو، ملیالم، سنسکرت، عربی	کنڑ، انگریزی، ہندی، مراٹھی، تمل، تیلگو، اردو، ملیالم، سنسکرت، عربی	کنڑ، انگریزی، ہندی، مراٹھی، تمل، تیلگو، اردو، ملیالم، سنسکرت، عربی
13	کیرل	ملیالم، انگریزی، تمل، کنڑ	ملیالم، انگریزی، تمل، کنڑ	ملیالم، انگریزی، تمل، کنڑ

Parishisth-1.indd 56 20-Jun-24 10:48:02 AM

14	مدھیہ پردیش	انگریزی، ہندی، اردو، مراٹھی	انگریزی، ہندی، اردو، مراٹھی	انگریزی، ہندی، اردو
15	مہاراشٹر	مراٹھی، ہندی	انگریزی، مراٹھی، ہندی	انگریزی، مراٹھی، ہندی
16	منی پور	انگریزی، ہندی، منی پوری	انگریزی، ہندی، منی پوری	انگریزی، ہندی، منی پوری
17	میگھالیہ	انگریزی، گارو، کھاسی	انگریزی	انگریزی
18	میزورم	میزو، انگریزی	میزو، انگریزی	میزو، انگریزی
19	ناگالینڈ	انگامی، آوو، انگریزی، ہندی، کونِیک، لوتھا، سیما	انگامی، آوو، انگریزی، ہندی، کونِیک، سیما	انگامی، انگریزی، ہندی
20	اڈیشہ	انگریزی، اڑیہ	انگریزی، ہندی، اڑیہ	انگریزی، ہندی، اڑیہ، سنسکرت
21	پنجاب	انگریزی، ہندی، پنجابی	انگریزی، ہندی، پنجابی	انگریزی، ہندی، پنجابی
22	راجستھان	ہندی	ہندی	ہندی
23	سِکّم	انگریزی	انگریزی	انگریزی
24	تریپورہ	بنگلہ، کوکبوروک، انگریزی	بنگلہ، انگریزی	بنگلہ، انگریزی
25	تمِل ناڈو	انگریزی، تمِل	تمِل، تیلگو، ملیالم، اردو، کنڑ	تمِل، تیلگو، ملیالم، اردو، کنڑ
26	اُتراکھنڈ	ہندی	انگریزی، ہندی، اردو	انگریزی، ہندی، اردو،
27	اُترپردیش	ہندی	انگریزی، ہندی، سنسکرت	انگریزی، ہندی، سنسکرت
28	مغربی بنگال	بنگلہ	بنگلہ، ہندی، انگریزی، اردو، اڑیہ، تمِل، تیلگو، گجراتی، تبتن، نیپالی	بنگلہ، ہندی، انگریزی، اردو، اڑیہ، تمِل، تیلگو، گجراتی، تبتن، نیپالی

29	انڈمان اور نکوبار	بنگلہ، انگریزی، ہندی، تمِل، تیلگو	بنگلہ، انگریزی، ہندی، تمِل، تیلگو	بنگلہ، انگریزی، ہندی، تمِل، تیلگو
30	چنڈی گڑھ	انگریزی، ہندی، پنجابی	انگریزی، ہندی، پنجابی	انگریزی، ہندی، پنجابی
31	دادر اور نگر حویلی	انگریزی، گجراتی، ہندی، مراٹھی	انگریزی، گجراتی، ہندی، مراٹھی، سنسکرت	انگریزی، گجراتی، ہندی، مراٹھی، سنسکرت
32	دمن اور دیو	گجراتی، انگریزی	گجراتی، انگریزی	گجراتی، انگریزی
33	دِلّی	انگریزی، ہندی، اردو	انگریزی، ہندی، اردو	انگریزی، ہندی، اردو
34	لکشدیپ	ملیالم	انگریزی، ملیالم	انگریزی، ملیالم
35	پڈوچیری	انگریزی، تمِل	انگریزی، تمِل	انگریزی، تمِل

ماخذ: امپلی مینٹیشن آف تھری لینگویج فارمولہ ان انڈین اسکولس۔ اے اسٹڈی، ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی 2009، صفحہ 83-80

یہ خوشی کی بات ہے کہ حالیہ دنوں میں بہت سے قبائلی علاقوں کی زبانیں ثانوی زبان کی حیثیت سے شامل ہونے لگی ہیں اور ان زبانوں میں ابتدائی سطح پر مواد بھی تیار کیے جانے لگے ہیں۔ مستقبل میں مزید تعداد میں ہندوستانی زبانیں (قبائلی علاقوں کی زبانوں سمیت) ثانوی زبان کی حیثیت سے استعمال کی جائیں۔ یہی اس کتاب کا مقصد ہے۔

حوالہ جات

- تعلیمی کمیشن کی رپورٹ 66-1964، وزارت تعلیم، 1966
- قومی تعلیمی پالیسی 1968، وزارت تعلیم
- پروگرام آف ایکشن 1992 (قومی تعلیمی پالیسی 1986)، شعبہ تعلیم، وزارت تعلیم
- قومی تعلیمی پالیسی 2020، وزارت تعلیم، حکومت ہند
- قومی درسیات کا خاکہ برائے اسکولی تعلیم 2000، این سی ای آر ٹی
- قومی درسیات کا خاکہ 2005، این سی ای آر ٹی
- ہندوستانی زبانوں کی تدریس، نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر 1.3،2006، این سی ای آر ٹی
- پٹنائک، ڈی۔پی۔اسٹڈی آف لنگویج، رپورٹ، این سی ای آر ٹی
- گاندھی، ایم کے، ہند سوراج، بھارتی مت 1909
- بچوں کا مفت اور لازمی حق تعلیم ایکٹ، 2009، وزارت قانون اور انصاف، حکومت ہند
- چومسکی، این 1959، ریویو آف اسکینرس بربل بہیویار، لینگویج 58-35.1:26
- وائیگوتسکی، ایل ایس، 1978، مائنڈان سوسائٹی: داڈویلپمنٹ آف ہائرسائیکلوجیکل پراسیس، کینبرج، ماس: ہاورڈیونیورسیٹی پریس
- کپور، کے۔(2009) لنگویج: آور میڈیم آف انڈراسٹینڈنگ ، جرنل آف انڈین ایجوکیشن، جلد XXXV، نمبر 1، نئی دہلی: این سی ای آر ٹی (ISSN:0972-5628)
- کپور، کے۔ای ایل ٹی اینڈ سوشل جسٹس ان ملٹی لنگول کلاس روم، بی لونیا، ٹیا 1,2021، صفحہ 24
- ہالٹ، جان۔ تعلیم کی بجائے، نیو بیلنٹائن بکس 1974
- انگریزی زبان کی تدریس، پوزیشن پیپر 1.4,2006، این سی ای آر ٹی
- پربھو، این۔ایس۔ 1987. سکینڈ لنگویج پیڈا گوجی، آکسفورڈ: نیویارک: آکسفورڈیونیورسٹی پریس
- ڈویرا، ایس۔2005. ایلیکٹسزم ان میتھوڈولوجی۔ایم ایس۔ این ایف. جی. انگلش
- فلیکس، پال. 1998۔ لرننگ ٹوریڈا انگلش: دامکسڈ کوڈوے ان ویون بیری اینڈ آتھرایم سی نیل (سمپا) پالیسی اینڈ پریکٹس ان لینگویج ایجوکیشن. ہانگ کانگ: ڈپارٹمنٹ آف کریکولم اسٹڈیز، یونیورسٹی آف ہانگ کانگ، صفحہ 193-175
- ویسٹ مائیکل، 1941. لرننگ ٹوریڈآ فارن لنگویج لونگ مین: یوکے.(لرننگ ٹوریڈا فارن لنگویج

اینڈادر اسپیس آن لینگویج ٹیچنگ)(نیوایڈ)لندن، نیویارک، لونگ مین، گرین(1955)

- ریاضی کا جادو، کتاب 2، دوسری جماعت کے لیے ریاضی کی نصابی کتاب، این سی ای آر ٹی، 2007
- آس پاس، ماحولیات اسٹڈیز، تیسری جماعت کے لیے نصابی کتاب، این سی ای آر ٹی۔2006
- وتان، حصہ 1، کلاس گیارہویں کے لیے سپلمنٹری ریڈر ہندی میں، این سی ای آر ٹی، 2006
- ہریجن، 9-7,38، صفحہ نمبر 177، مہاتما گاندھی کے چینت کاریہ (باب V) داوائس آف ٹروتھ (مکمل کتاب آن لائن) حصہ II، باب XI: بیسک ایجوکیشن اینڈ اسٹوڈنٹ بیسک ایجوکیشن

https://www.mkgandhi.org/voiceoftruth/basiceducation.htm